مئی ۱۹۹۸ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

☆ شہیدِ مظلوم

حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ

از : امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد

KHALID TRADERS

IMPORTERS – INDENTORS – STOCKISTS & SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS, FROM SUPER – SMALL TO SUPER – LARGE

AUTHORIZED AGENTS NTN BEARINGS

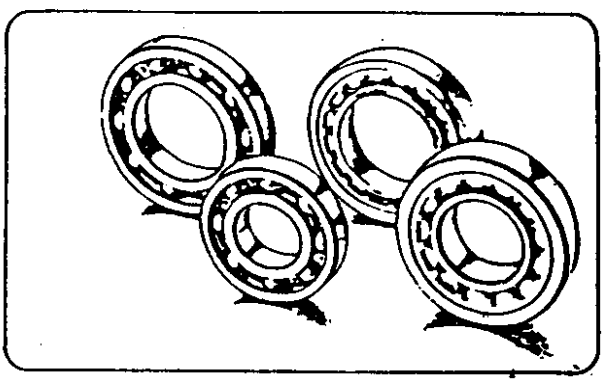

PLEASE CONTACT

TEL : 7732952-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734778

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 64 A-65,
Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : (Opening Shortly) — Amin Arcade 42, Brandreth Road, Lahore-54000 Ph : 54169

GUJRANWALA : — 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد کرو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی۔

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

جلد :	۴۷
شمارہ :	۵
محرم الحرام	۱۴۱۹ھ
مئی	۱۹۹۸ء
فی شمارہ	-/۱۰
سالانہ زر تعاون	-/۱۰۰

ادارۂ تحریر

شیخ جمیل الرحمٰن

حافظ عاکف سعید

حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زر تعاون برائے بیرونی ممالک

- امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا' نیوزی لینڈ — 22 ڈالر (800 روپے)
- سعودی عرب' کویت' بحرین' قطر، عرب امارات' بھارت' بنگلہ دیش' افریقہ' ایشیا' یورپ' جاپان — 17 ڈالر (600 روپے)
- ایران' ترکی' اومان' مسقط' عراق، الجزائر' مصر — 10 ڈالر (400 روپے)

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت : 36۔کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور 54700۔فون : 03۔02۔5869501

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی : 67۔ گڑھی شاہو' علامہ اقبال روڈ' لاہور' فون : 6305110

پبلشر: ناظم مکتبہ' مرکزی انجمن' طابع : رشید احمد چودھری' مطبع : مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

☆ عرضِ احوال ___ ۳

حافظ خالد محمود خضر

☆ شہیدِ مظلوم (۲) ___ ۵

حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ

ڈاکٹر اسرار احمد

☆ غلطیوں کی اصلاح کا نبوی طریق کار (۳) ___ ۲۷

علامہ محمد صالح المنجد

☆ فکرِ عجم (۹) ___ ۳۹

صفوی دور، اور ایران میں شیعیت کا فروغ

ڈاکٹر ابو معاذ

☆ رپورتاژ ___ ۶۳

امارت اسلامی افغانستان کا مطالعاتی و مشاہداتی سفر

نعیم اختر عدنان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض احوال

تنظیم اسلامی حلقہ لاہور کے زیر اہتمام ۲۶/ اپریل کو صبح ۱۰ بجے ماڈل ٹاؤن لاہور میں وزیر اعظم پاکستان میاں محمد نواز شریف کی ذاتی رہائش گاہ کے باہر ایک خاموش مظاہرہ کیا گیا۔ رفقاء تنظیم ایسی عبارات پر مشتمل بینرز اور پلے کارڈز اٹھائے ہوئے تھے جن میں دستوری سطح پر قرآن و سنت کی بالادستی اور نفاذ شریعت کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ اس موقع پر ناظم اعلیٰ عبدالرزاق صاحب کی قیادت میں تنظیم کے ایک سہ رکنی وفد نے وزیر اعظم سے بالمشافہ ملاقات کر کے ان سے ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے آئین میں ضروری ترامیم کرنے اور سودی نظام معیشت کے خاتمہ کے لئے فوری اقدامات کرنے کا مطالبہ کیا۔ تنظیم کے وفد نے وزیر اعظم کو ایک یادداشت پیش کی جس میں اُن آئینی دفعات کی نشاندہی کی گئی ہے جو قرارداد مقاصد سے متصادم ہیں' اور ان دفعات میں بعض لفظی ترامیم کے ذریعے انہیں قرارداد مقاصد سے ہم آہنگ کیا جاسکتا ہے اور اس طرح اسلامی جمہوریہ پاکستان کو اسلامی ریاست بنانے اور یہاں نظام خلافت قائم کرنے کے تقاضے دستوری سطح پر پورے کئے جاسکتے ہیں۔ مزید برآں اس یادداشت میں وزیر اعظم کو اپنے گزشتہ وعدے اور عزائم بھی یاد دلائے گئے ہیں۔

تنظیم اسلامی لاہور کا یہ مظاہرہ درحقیقت تنظیم کی "مطالبہ تکمیل دستورِ خلافت مہم" کے سلسلے کی ایک کڑی تھا' جس کا آغاز گزشتہ سال مارچ میں کیا گیا تھا' اور جس میں دستور پاکستان کو مکمل اسلامی بنانے کے لئے مجوزہ ترامیم کے حق میں عوامی حمایت حاصل کرتے ہوئے مذکورہ مطالبہ پر مشتمل ساڑھے تین لاکھ سے زائد پوسٹ کارڈ اور لاتعداد ٹیلی گرام وزیر اعظم پاکستان کو بھجوائے گئے۔ اسی مہم کے سلسلے میں تنظیم اسلامی کے ایک وفد نے امیر تنظیم محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی زیر قیادت وزیر اعظم ہاؤس میں ۲۴ مئی ۹۷ء کو وزیر اعظم پاکستان اور بعض وفاقی وزراء پر مشتمل ان کے وفد کے ساتھ ملاقات کی تھی ـــــ بعد ازاں تنظیم کے اعلیٰ عہدیداروں پر مشتمل ایک وفد نے ۴ مارچ ۹۸ء کو ایوان صدر میں صدر پاکستان جناب محمد رفیق تارڑ سے ملاقات کر کے ان کی توجہ

اس مسئلہ کی اہمیت کی طرف مبذول کرائی تھی اور ان سے اپنی حیثیت کا بھرپور استعمال کرتے ہوئے حکومت پر دباؤ ڈالنے کی درخواست کی تھی کہ وہ آئین میں مجوزہ ترامیم کر کے اس کو ایک اسلامی دستور میں ڈھالنے کا مبارک کام سرانجام دے۔

☆ ☆ ☆

تنظیم اسلامی کے دینی و احیائی فکر میں افغانستان کو خصوصی اہمیت حاصل ہے جو تاریخی طور پر اُس "خراسان بزرگ" کا اہم ترحصہ رہا ہے جس کا ذکر متعدد احادیث میں اس حیثیت سے ملتا ہے کہ یہ خطہ قیامت سے قبل عالمی غلبہ اسلام کے ضمن میں نہایت اہم کردار ادا کرے گا۔ امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد مدّ ظلّہ جہادِ افغانستان میں دی گئی لاکھوں قربانیوں کو اسلام کے عالمی غلبہ کی نوید قرار دیتے ہیں۔ افغانستان سے روسی افواج کے انخلاء کے بعد مجاہدین کی باہمی خانہ جنگی کے باعث افغانستان میں ایک حقیقی اسلامی ریاست کے قیام کا خواب ایک امیدِ موہوم کی صورت اختیار کر رہا تھا' لیکن طالبان حکومت کے قیام کے بعد "روشن کہیں بہار کے امکاں ہوئے تو ہیں" کا منظر دیکھنے میں آ رہا ہے۔ امیر محترم اپنی شدید خواہش کے باوجود اپنے گھٹنوں کی تکلیف کی وجہ سے افغانستان کے حالات کا مشاہدہ کرنے اور طالبان کی اعلیٰ قیادت کو اسلامی حکومت کے قیام پر مبارک باد پیش کرنے کے لئے افغانستان کا سفر نہ کر سکے۔ تاہم امیر محترم کی ہدایت پر تنظیم اسلامی کے ایک چودہ رکنی وفد نے گزشتہ ماہ افغانستان کا آٹھ روزہ مطالعاتی و مشاہداتی دورہ کیا۔ پیش نظر شمارے میں اس دورہ کی مفصل رپورٹ ہدیۂ قارئین ہے۔

☆ ☆ ☆

جیسا کہ گزشتہ شمارہ میں عرض کیا گیا تھا' محترم امیر تنظیم اسلامی کے دونوں گھٹنوں کا آپریشن ۲۶ مارچ کو ڈیٹرائٹ امریکہ میں بحمد اللہ خیر و خوبی سے ہو گیا تھا۔ اس کے بعد فزیو تھراپی کا عمل جاری ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امیر محترم رو بصحت ہو رہے ہیں۔ فزیو تھراپی کا سلسلہ ۱۵ مئی تک جاری رہے گا جس کے بعد ڈاکٹروں کی طرف سے سفر کی اجازت مل سکے گی۔ چنانچہ امیر محترم ان شاء اللہ العزیز ۲۰ مئی کے لگ بھگ پاکستان واپس تشریف لے آئیں گے۔ ○○

شہیدِ مظلوم

حضرت عثمان ذُوالنُّورَین رضی اللہ عنہ

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک خطاب

(دوسری قسط)

فیاضی کی مزید مثالیں

"ازالۃ الخفاء" ہی میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک روایت نقل کی ہے۔ اُم المومنین رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ "رسول اللہ ﷺ کے گھر والوں پر چار دن بے آب و دانہ گزر گئے۔ نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے پوچھا "اے عائشہ! کہیں سے کچھ آیا؟"۔ میں نے کہا "خدا آپؐ کے ہاتھ سے نہ دلوائے تو مجھے کہاں سے مل سکتا ہے!"۔ اس کے بعد حضورؐ نے وضو کیا اور اللہ کی تسبیح کرتے ہوئے باہر تشریف لے گئے۔ کبھی یہاں نماز پڑھتے کبھی وہاں اور اللہ سے دعا فرماتے" ـــــ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ تیسرے پہر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آئے' انہوں نے پوچھا "اے ماں! رسول اللہ ﷺ کہاں ہیں؟" میں نے کہا کہ "بیٹے! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے گھر والوں نے چار دن سے کچھ نہیں کھایا۔ آپؐ اسی پریشانی میں باہر تشریف لے گئے ہیں"۔ یہ سن کر حضرت عثمانؓ رو پڑے۔ فوراً واپس گئے اور آٹا' گیہوں اور خرمے اونٹوں پر لدوائے اور کھال اتری ہوئی بکری اور ایک تھیلی میں تین سو درہم لے کر آئے"۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ "حضرت عثمانؓ نے مجھے قسم دلائی کہ جب کبھی ضرورت پیش آئے' مجھے ضرور خبر کیجئے گا" ـــــ کچھ دیر بعد حضور ﷺ تشریف لائے اور پوچھا: "میرے بعد تم کو کچھ ملا؟" میں نے کہا: "اے اللہ کے رسولؐ آپ اپنے اللہ سے دعا کرنے گئے تھے اور اللہ آپؐ کی دعا رد نہیں کرتا!" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس کے بعد میں نے تمام واقعہ بیان کر دیا۔ رسول

اللہ ﷺ یہ سن کر پھر مسجد میں چلے گئے اور میں نے سنا کہ آپؐ ہاتھ اٹھا کر دعا فرما رہے تھے کہ "اے اللہ! میں عثمانؓ سے راضی ہو گیا، تو بھی اس سے راضی ہو جا۔ اے اللہ! میں عثمانؓ سے راضی ہو گیا، تو بھی اس سے راضی ہو جا!"۔

صدقے میں حضرت عثمانؓ کا مرتبہ بے حد بلند تھا۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کے صدقے کا ایک عجیب ماجرا بیان کیا ہے جو دورِ صدیقی میں پیش آیا تھا۔ یہ واقعہ بھی شاہ صاحبؒ نے اپنی کتاب "ازالۃ الخفاء" میں درج کیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک سال قحط پڑا، سامان خورد و نوش کے ذخیرے ختم ہو گئے۔ لوگوں نے حضرت صدیق اکبرؓ سے فریاد کی تو انہوں نے فرمایا کہ اِن شاء اللہ کل تمہاری تکلیف دور ہو جائے گی۔ دوسرے روز علی الصبح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ایک ہزار اونٹ غلے سے لدے ہوئے مدینہ پہنچے۔ مدینہ کے تاجر علی الصبح حضرت عثمانؓ کے گھر پہنچے اور ان کو پیشکش کی کہ وہ یہ غلہ ان کے ہاتھ فروخت کر دیں تاکہ بازار میں بیچا جا سکے اور لوگوں کی پریشانیاں دور ہوں۔ حضرت عثمانؓ نے کہا: میں نے یہ غلہ شام سے منگایا ہے، تم میری خرید پر کیا نفع دو گے؟ تاجروں نے دس کے بارہ (یعنی بیس فیصد منافع) کی پیشکش کی۔ حضرت عثمانؓ نے کہا: مجھے اس سے زیادہ ملتے ہیں۔ تاجروں نے کہا ہم دس کے چودہ (چالیس فیصد منافع) دیں گے۔ آپ نے کہا: مجھے اِس سے بھی زیادہ ملتے ہیں۔ لوگوں نے پوچھا کہ ہم سے زیادہ دینے والا کون ہے؟ مدینہ میں تجارت کرنے والے تو ہم ہی لوگ ہیں ـــــ حضرت عثمانؓ نے کہا: مجھے تو ہر درہم کے بدلے میں دس ملتے ہیں۔ کیا تم اس سے زیادہ دے سکتے ہو؟ ان لوگوں نے کہا: نہیں! حضرت عثمانؓ نے کہا: "اے تاجرو! میں تم لوگوں کو گواہ کرتا ہوں کہ میں یہ تمام غلہ مدینہ کے محتاجوں پر صدقہ کرتا ہوں"۔

حضرت ابن عباسؓ مزید بیان کرتے ہیں کہ اسی رات میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ نور کی ایک چھڑی آپؐ کے دست مبارک میں ہے اور آپؐ کے جوتے کے تسمے بھی نور کے ہیں اور آپؐ بعجلت کہیں تشریف لے جانے کا ارادہ فرما رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ حضورؐ میرے ماں باپ آپ پر قربان! میں آپؐ کا بے

حد مشتاق ہوں، مجھ پر بھی کچھ توجہ فرمایئے۔ حضورؐ نے فرمایا : "میں عجلت میں ہوں، اس وجہ سے کہ عثمان غنیؓ نے اللہ کی راہ میں ایک ہزار اونٹ غلہ صدقہ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کا صدقہ قبول کر لیا ہے۔ اس کے عوض جنت میں ان کی شادی ہے، میں اسی میں شرکت کے لئے جا رہا ہوں۔"

اللہ! اللہ! یہ ہے اِعطاء کی شان، جس کے حامل نظر آتے ہیں حضرت عثمان غنی، رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ۔ اِس وصف میں پیکرِ اکمل و افضل اور نبی اکرم ﷺ کے عکس کامل ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور صدیق اکبرؓ کے عکس کامل نظر آتے ہیں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

اب ذرا سورۃ الحدید کی ان دو آیات پر ایک نگاہ بازگشت ڈال لیجئے :

﴿ اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقَاتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ○ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ اُولٰئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ وَالشُّهَدَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ﴾ (الحدید : ۱۸، ۱۹)

تقویٰ کی شان

اب آگے چلئے اور عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی سیرت میں تقویٰ کے وصف کا جائزہ لیجئے۔ شاہ ولی اللہ نے "الاستیعاب" کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ خود یہ فرماتے ہیں کہ "میں نے اسلام سے قبل دورِ جاہلیت میں کبھی بھی نہ تو زنا کیا اور نہ چوری کی" ـــــ یہاں یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ صدیق پر دورِ جاہلیت کبھی بھی نہیں آتا، وہ فطرتاً سلیم الطبع اور مکارم اخلاق سے متصف ہوتا ہے۔ زمانی لحاظ سے چونکہ اجراءِ وحی سے قبل کا دَور دورِ جاہلیت کہلاتا ہے لہٰذا حضرت عثمانؓ کے قول میں ان کے اسلام سے قبل کے زمانے کے لئے "دورِ جاہلیت" استعمال ہوا ہے۔ یہ قول بھی نقل ہوا ہے کہ حضرت ابوبکر کی طرح حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) نے بھی ایام جاہلیت ہی میں، جس میں شراب نوشی اور زنا کو معیوب سمجھنے کے بجائے قابل فخر کام سمجھا جاتا تھا، شراب کو اپنے اوپر حرام

کرلیا تھا' اور ان نفوس قدسی کے شکم میں کسی وقت اس اُم الخبائث کا ایک قطرہ بھی نہیں گیا تھا۔ پھر یہ کہ ان دونوں بزرگوں نے کبھی کسی بت کے سامنے کسی قسم کے مراسم عبودیت انجام نہیں دیئے تھے۔ یہ نتیجہ تھا اُس فطرت سلیمہ کا جس کے متعلق نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ :

((مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ اِلاَّ یُولَدُ عَلَی الْفِطْرَةِ ' فَاَبَوَاهُ یُهَوِّدَانِهٖ اَوْ یُنَصِّرَانِهٖ اَوْ یُمَجِّسَانِهٖ (متفق علیه)

"ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرت (سلیمہ) پر پیدا ہوتا ہے' پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی' نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں"۔

یعنی ہر انسان فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ یہ تو ماحول اور ماں باپ کے اثرات کا نتیجہ ہوتا ہے کہ یہ فطرت سلیمہ مسخ ہو جاتی ہے اور انسان شرک اور دوسرے ذمائم اور فواحش میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ورنہ اگر فطرت اپنی صحت و سلامتی پر برقرار رہے تو انسان سے معاصی کا صدور محال ہے۔ اس لئے کہ فطرت اُس ہستی کی بنائی ہوئی ہے جو کہ "فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالاَرْضِ" اور فاطر انسان ہے۔ چنانچہ ہر نبی اور ہر صدیق فطرت سلیمہ پر برقرار ہوتا ہے۔

نبوت و صدیقیت میں مزاج کے اعتبار سے بڑا قرب ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ کسی کا دست حنائی کسی ایک پھول کو چن لیتا ہے۔ جیسے ایک باغ میں بے شمار گلاب کھلے ہوتے ہیں لیکن باغبان ان میں سے ایک پھول کا انتخاب کرلیتا ہے۔ قرآن مجید کی اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کا یہ انتخاب "اصطفاء" اور "اجتباء" کہلاتا ہے جس پر انبیاء و رُسل فائز ہوئے ہیں اور اسی کو وہبی کہا جاتا ہے۔ چنانچہ محمد رسول اللہ مصطفیٰ بھی ہیں اور مجتبیٰ بھی' صلی اللہ علیہ وسلم! ـــــ بقیہ پھولوں کو اگر صدیقین تصور کیا جائے تو ان کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ جیسے ہی نبی اور رسول کی دعوت ان کے کانوں تک پہنچتی ہے تو وہ یہ کہتے ہوئے لپک کر اس دعوت پر لبیک کہتے ہیں کہ : "رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّکُمْ فَاٰمَنَّا" (آل عمران : ۱۹۳) "اے ہمارے پروردگار! ہم نے ایک منادی کو یہ پکارتے ہوئے سنا کہ ایمان لاؤ اپنے رب پر' تو ہم ایمان لے آئے!" ـــــ یہ

صدیقین دعوتِ حق کو قبول کرنے میں ایک لحظہ بھر توقف و تامل نہیں کرتے بلکہ فوراً تصدیق کرتے ہیں۔ یہ ہے وہ تیسرا وصف جس کے حامل تمام صدیقین ہوتے ہیں اور ان نفوس قدسیہ کی فطرت انبیاء کی فطرت سے بہت مشابہہ ہوتی ہے۔ صِدّیقیت کے اس وصف کے لئے قرآن حکیم میں فرمایا گیا ﴿وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی﴾

حیاء اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

انسان کی فطرت میں اللہ تعالیٰ نے بدی اور برائی سے جو کراہیت اور حجاب رکھا ہے اسی جذبہ صادق کو دین کی اصطلاح میں حیاء کہا جاتا ہے۔ حیاء کا یہ جوہر ہر انسان کی فطرت میں فاطر کائنات کی طرف سے ودیعت شدہ ہے: ﴿فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا﴾ چنانچہ برا کام کرنے پر انسان کا نفس لوامہ اسے ٹوکتا ہے، جس کی اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں سورۃ القیامہ کے آغاز میں قسم کھائی ہے: ﴿وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ﴾ اسی کو ہم ضمیر کی خلش سے تعبیر کرتے ہیں ـــــ نبی اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ گناہ کی تعریف یوں فرمائی: ((اَلْاِثْمُ مَا حَاكَ فِی صَدْرِكَ وَكَرِهْتَ اَنْ يَّطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ)) (مسلم والترمذی) "گناہ وہ ہے جس سے تمہارے سینے میں خلجان پیدا ہو جائے اور تم اس کو ناپسند کرو کہ تمہارا وہ عمل لوگوں کے علم میں آجائے اور لوگ اس پر مطلع ہو جائیں" پس گناہ کے دو پہلو ہو گئے۔ پہلا یہ کہ اندر سے نفسِ لوّامہ ملامت کرے، سینہ بھنچے۔ دوسرا یہ کہ انسان اس کو ناپسند کرے کہ لوگوں کو معلوم ہو کہ اس نے کیسی غلط حرکت کی ہے۔ اسی احساس کا دوسرا نام حیاء ہے اور حیاء کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ((اَلْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْاِيْمَانِ)) (متفق علیہ) "حیاء ایمان کا ایک شعبہ ہے"۔ اور ایک حدیث میں تو حیاء کو نصف ایمان قرار دیا گیا ہے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کی سند موجود ہے کہ ((اَشَدُّهُمْ حَيَاءً عُثْمَانُ)) اور ((اَكْثَرُهُمْ حَيَاءً عُثْمَانُ)) جو اکثر خطیب حضرات جمعہ کے خطبوں میں بیان کرتے ہیں۔ یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں حیاء کے باب میں حضرت عثمانؓ غنی سب سے بڑھے ہوئے ہیں۔ اور یہ متفق علیہ حدیث ہم نے

ابھی پڑھی ہے کہ ((اَلْحَیَاءُ شُعْبَۃٌ مِنَ الْاِیْمَانِ)) لہٰذا حضرت عثمانؓ کے بارے میں جو یہ کہا جاتا ہے کہ : "کَامِلُ الْحَیَاءِ وَالْاِیْمَانِ" تو وہ صد فیصد درست ہے، کیونکہ جو حیاء میں کامل ہو گا وہ ایمان میں بھی کامل ہو گا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حیاء کے بارے میں مسلم شریف میں ایک واقعہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی زبانی بیان ہوا ہے، وہ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضورؐ میرے حجرے میں تشریف فرما تھے اور آپؐ ایک گدیلے پر بے تکلفی سے استراحت فرما رہے تھے [اپنے ذاتی حجرے میں جبکہ صرف اہلیہ موجود ہوں بے تکلفی کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، ہو سکتا ہے کہ حضورؐ کی ساق مبارک کھلی ہوئی ہو اور پورا جسم ڈھکا ہوا نہ ہو۔ یہاں یہ بات بھی سمجھ لیجئے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کو ہمارے اپنے گھروں کے کمروں پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہو گا۔ اُمہات المومنین کے حجروں کے طول و عرض کے متعلق روایات میں آتا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ اتنا چھوٹا تھا کہ یہ ممکن ہی نہ تھا کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ اپنی ٹانگیں پھیلائے رکھیں اور حضورؐ نماز تہجد میں بآسانی سجدہ فرما لیں۔ چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ اُم المومنین کی ٹانگیں اکثر مصلّٰی پر سجدے کی جگہ آ جاتی تھیں اور حضورؐ سجدے میں جاتے وقت یا تو اُم المومنین کے پیروں کو ٹھونکا دیتے یا پھر ایک طرف ہٹا دیتے ـــــ اسی چھوٹے سے حجرے میں نبی اکرم ﷺ استراحت فرما رہے ہیں، اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی موجود ہیں۔]

وہ روایت کرتی ہیں، اطلاع ملی کہ حضرت ابوبکرؓ تشریف لائے ہیں اور اِذن باریابی کے خواہاں ہیں۔ حضورؐ کی اجازت سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حجرے میں تشریف لائے اور حضورؐ جس حال میں استراحت فرما رہے تھے اسی طرح لیٹے رہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جو بات کرنی تھی کی اور واپس تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد اطلاع ملی کہ عمر فاروقؓ ملاقات کے لئے حاضر ہوئے ہیں اور اِذن باریابی کے طالب ہیں۔ ان کو بھی اندر آنے کی اجازت مل گئی، وہ آئے، اور حضورؐ اسی طرح لیٹے رہے (حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اپنے اوپر چادر ڈال کر ایک طرف پیٹھ پھیر لی)۔ وہ بھی اپنی بات کر کے رخصت ہو گئے ـــــ تیسری مرتبہ اطلاع دی گئی کہ حضرت عثمان غنیؓ بھی ملاقات کرنا

چاہتے ہیں۔ اس اطلاع کے بعد حضورؐ بستر پر اُٹھ کر بیٹھ گئے اور اپنے کپڑے درست فرما لئے (تہبند سے ساق مبارک ڈھانک لی) اور ساتھ ہی مجھے (حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو) حکم دیا کہ اپنے کپڑے خوب اچھی طرح اپنے جسم پر لپیٹ لو (اور پورا جسم ڈھانپ کر دیوار کی طرف منہ کر کے بیٹھ جاؤ۔ یہ اہتمام کرنے کے بعد) حضرت عثمانؓ غنی کو اِذن باریابی ملا۔ وہ بھی حجرۂ مبارک میں حاضر ہوئے اور جو بات کرنی تھی کر کے رخصت ہوئے۔

(حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے جانے کے بعد) میں نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ کے آنے پر تو آپؐ نے کوئی خاص اہتمام نہیں فرمایا۔ یہ کیا خاص بات تھی کہ عثمان غنیؓ کے آنے پر آپؐ نے خود بھی کپڑوں کی درستگی کا خاص اہتمام فرمایا اور مجھے بھی ہدایت فرمائی کہ میں خوب اچھی طرح کپڑے لپیٹ لوں؟ جواب میں حضورؐ نے فرمایا کہ "اے عائشہ! عثمان انتہائی حیادار شخص ہیں۔ مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ اگر میں اسی طرح بے تکلفی سے لیٹا رہا تو عثمانؓ اپنی فطری حیاء اور حجاب کی وجہ سے وہ بات نہیں کر سکیں گے جس کے لئے وہ آئے تھے اور ویسے ہی واپس چلے جائیں گے"۔ ایک روایت میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا "عثمانؓ کی شخصیت تو وہ ہے کہ جس سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں، چنانچہ میں نے بھی ان سے حیاء کی ہے"۔ یہ واقعہ مسلم شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں مروی ہے :

اَنَّ اَبَابَكْرٍ الصِّدِّيقَ اسْتَاْذَنَ عَلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُضطَجِعٌ عَلٰى فِرَاشِهٖ لَابِسٌ مِرْطَ عَائِشَةَ ، فَاَذِنَ لِاَبِي بَكْرٍ وَهُوَ كَذٰلِكَ، فَقَضٰى اِلَيْهِ حَاجَتَهٗ ثُمَّ انْصَرَفَ ، ثُمَّ اسْتَاْذَنَ عُمَرُ فَاَذِنَ لَهٗ وَهُوَ عَلٰى تِلْكَ الْحَالِ ، فَقَضٰى اِلَيْهِ حَاجَتَهٗ ثُمَّ انْصَرَفَ ، قَالَ عُثْمَانُ : ثُمَّ اسْتَاْذَنْتُ عَلَيْهِ فَجَلَسَ وَقَالَ لِعَائِشَةَ : اِجْمَعِي عَلَيْكِ ثِيَابَكِ ، فَقَضَيْتُ اِلَيْهِ حَاجَتِي ثُمَّ انْصَرَفْتُ ، فَقَالَتْ عَائِشَةُ : يَارَسُولَ اللّٰهِ، مَالِي لَمْ اَرَكَ فَزِعْتَ

لِاَبِی بَکْرٍ وَعُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا کَمَا فَرِغْتَ لِعُثْمَانَ؟ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہ عَلَیہ وسلَّم : ((اِنَّ عُثْمَانَ رَجُلٌ حَیِیٌّ وَاِنِّی خَشِیتُ اِنْ اَذِنْتُ لَہٗ عَلٰی تِلْکَ الْحَالِ اَنْ لَا یَبْلُغَ اِلَیَّ فِی حَاجَتِہٖ))

یہ ہے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی حیا کا معاملہ! پھر حضرت عثمانؓ خود فرماتے ہیں کہ جس روز سے میں نے ایمان قبول کیا ہے اور نبی اکرم ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی ہے اس کے بعد سے میں نے نہ کبھی گانا گایا ہے اور نہ گانے کی تمنا کی ہے' اور پھر یہ کہ اس بیعت کے بعد اپنے داہنے ہاتھ کو' جو بیعت کے لئے حضورؐ کے دست مبارک میں دیا گیا تھا' کبھی اپنی شرمگاہ سے مس نہیں کیا"۔ حضرت عثمانؓ کے الفاظ یہ ہیں : مَا تَغَنَّیْتُ وَمَا تَمَنَّیْتُ وَلَا مَسَسْتُ ذَکَرِی بِیَمِینِی مُنْذُ بَایَعْتُ بِھَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہ علیہ وسلَّم!

حضرت عثمانؓ کے تقویٰ کے چند مزید احوال

منقول ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے ہی میں پورا قرآن شریف یاد کر لیا تھا اور کبھی کبھی رات کو نوافل میں پورا قرآن مجید پڑھا کرتے۔ صحیحین میں روایت ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے وضو کا طریقہ بالکل رسول اللہ ﷺ کے وضو سے مشابہ ہوتا تھا۔ حضرت عثمانؓ کی لونڈی نے اور زبیر بن عبداللہ نے اپنی دادی سے روایت کیا ہے کہ حضرت عثمانؓ صائم الدھر اور قائم اللیل تھے۔ صرف اول شب تھوڑی دیر کے لئے سوتے تھے۔ امام دار الہجرت امام مالکؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ حج اور عمرے میں سب سے بازی لے گئے تھے اور یہ کہ آپ اپنے ہمسروں میں صلہ رحمی میں سب سے بڑھ کر تھے۔

مشکوٰۃ میں روایت ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب کسی قبر پر کھڑے ہوتے تو اس قدر روتے کہ داڑھی اشکوں سے تر ہو جاتی۔ لوگوں نے دریافت کیا : کیا وجہ ہے کہ آپ جنت و دوزخ کے ذکر سے اتنے اشکبار نہیں ہوتے جتنا کہ قبر کے ذکر پر ہوتے ہیں۔ آپؓ نے جواب میں کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے :

((اَلْقَبْرُ اَوَّلُ مَنْزِلٍ مِن مَنَازِلِ الْاٰخِرَةِ ، فَاِنْ نَجَا مِنْهُ فَمَا بَعْدَهُ اَيْسَرُ مِنْهُ وَاِنْ لَمْ يَنْجَ مِنْهُ فَمَا بَعْدَهُ اَشَدُّ مِنْهُ)) (رواہ الترمذی)

"قبر آخرت کی منزلوں میں سے سب سے پہلی منزل ہے۔ اگر کوئی اس سے نجات پاگیا تو اس کے بعد کے مراحل اس کے لئے آسان تر ہوں گے' اور اگر اس سے نجات نہ پائی تو اس کے بعد اس سے بھی زیادہ سختی ہے"۔

ترمذی اور ابن ماجہ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا :

((مَا رَاَيْتُ مَنْظَرًا قَطُّ اِلَّا الْقَبْرَ اَفْظَعَ مِنْهُ))

"میں نے قبر سے زیادہ کسی مقام کو ہیبت ناک نہیں دیکھا"۔

یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ

"اگر میں دوزخ و جنت کے درمیان ہوں اور مجھے معلوم نہ ہو کہ میرے ساتھ کیا معاملہ ہو گا' میرے لئے ان میں سے کس کا حکم دیا جائے گا' تو میں اس کا حال معلوم کرنے سے قبل راکھ ہو جانے کو پسند کروں گا"۔

ان چند واقعات سے اندازہ کر لیجئے کہ جس کے اِعطاء' تقویٰ اور حیاء کا یہ عالم ہو تو اس کی فضیلت و منقبت کا کیا کہنا! رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ۔

تصدیق بالحسنیٰ

اب تک جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس میں ﴿فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى﴾ کی پوری شان نظر آ رہی ہے۔ رہا تصدیق بالحسنیٰ کا معاملہ تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ "السّابِقون الاوّلون" میں شامل ہیں اور بعض لوگوں کے نزدیک ایمان لانے والوں میں ان کا پانچواں یا چھٹا نمبر ہے۔ گویا آپ رضی اللہ عنہ اصحاب عشرہ مبشرہ میں سے حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح' حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف' حضرت زبیرؓ بن العوام' حضرت سعیدؓ بن زید' حضرت طلحہؓ اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص سے بھی قبل دولت ایمان سے مشرف ہو چکے تھے۔

تو یہ ہیں صدیقیت کے وہ اوصاف ثلاثہ جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی سیرت مبارکہ

میں نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔

صِدّیقیت و شہادت کے دو نور

سورۃ الحدید کی محولہ بالا آیات میں صدقہ کرنے والے اور اللہ کے دین کے لئے قرض حسن دینے والے مؤمن مَردوں اور مؤمن عورتوں کے لئے جہاں اجر عظیم کی نوید سنائی گئی ہے' وہاں ان کو صدیقین و شہداء کے زمرے میں شامل ہونے کا مژدہ بھی سنایا گیا اور ان کو یہ بشارت بھی دی گئی ہے کہ ان کا اجر اور ان کا نور ان کے رب کے پاس محفوظ ہے۔ چنانچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی سیرت میں صدیقیت کے اوصاف بھی موجود ہیں اور پھر وہ شہادت عظمیٰ پر فائز ہوئے ہیں۔ گویا ان کی شخصیت میں صدیقیت اور شہادت کے دونوں نور موجود ہیں۔ اس اعتبار سے بھی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شخصیت ذوالنورین کے معزز لقب کی صحیح مصداق نظر آتی ہے۔

رسولوں کے باب میں اللہ تعالیٰ کی یہ سنت رہی ہے کہ ان کو اللہ کی طرف سے ایک خاص تحفظ حاصل ہوتا ہے اور وہ مقتول نہیں ہوتے۔ چونکہ عالم ظاہری میں اس طرح رسولوں کے مغلوب ہونے کا پہلو نکلتا ہے اور مغلوبیت رسول کے شایان شان نہیں' لہٰذا اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہ ہے کہ :﴿لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ﴾ "لازماً میں اور میرے رسول غالب رہیں گے" ـــــ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو راہ حق میں شہادت کا بڑا اشتیاق تھا۔ چنانچہ کتب احادیث میں آنحضور ﷺ کی یہ دعائیں منقول ہوئی ہیں : اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْئَلُکَ شَھَادَۃً فِی سَبِیْلِکَ ـــــ اور اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ شَھَادَۃً فِی سَبِیْلِکَ ـــــ مزید برآں نبی کریم ﷺ کا یہ قول بھی احادیث میں موجود ہے :

((وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ لَوَدِدْتُ اَنْ اُغْزَوَ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ فَاُقْتَلَ ' ثُمَّ اُغْزَوَ فَاُقْتَلَ ' ثُمَّ اُغْزَوَ فَاُقْتَلَ)) (متفق علیہ)

"میری یہ آرزو ہے کہ میں اللہ کی راہ میں جنگ کروں اور قتل کر دیا جاؤں' (پھر مجھے زندہ کیا جائے اور) میں پھر اللہ کی راہ میں جنگ کروں اور قتل کر دیا جاؤں۔

• (پھر مجھے زندہ کیا جائے اور) میں پھر اللہ کی راہ میں جنگ کروں اور قتل کر دیا جاؤں)۔"

لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا' رسولوں کے باب میں اللہ کی سنت یہ ہے کہ رسول کبھی قتل نہیں ہوتے' کیونکہ اس میں ظاہری طور پر رسول کے مغلوب ہونے کا پہلو نکلتا ہے۔ البتہ انبیائے کرام قتل بھی ہوئے ہیں' جیسا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے سانحہ قتل سے ہر مسلمان واقف ہے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے باب میں بھی اللہ کی وہی سنت کار فرما نظر آتی ہے جو رسولوں سے متعلق ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ جو صدیقیت کبریٰ کے مقام پر فائز ہیں طبعی طور پر وفات پاتے ہیں' جبکہ مابعد کے تینوں خلفاء راشدین حضرت عمر فاروق' حضرت عثمان غنی اور حضرت علی حیدر کرار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین مرتبہ شہادت سے سرفراز کئے جاتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ ان تینوں خلفاء کی شہادت کی پیشگی خبر دے چکے تھے۔ وہ حدیث تو بہت مشہور ہے کہ ایک روز نبی اکرم ﷺ حضرت ابو بکر' حضرت عمر' اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ کوہ اُحد پر تشریف لے گئے تو کوہ اُحد کانپنے اور لرزنے لگا۔ حضورؐ نے اپنے پائے مبارک سے اُحد کو ٹھونکا دیتے ہوئے فرمایا کہ "اے اُحد تھم جا' رک جا' اِس وقت تیری پیٹھ پر ایک نبی' ایک صدیق' اور دو شہیدوں کے سوا کوئی نہیں"۔ (متفق علیہ)

"ذُوالنُّورین" کی مصداق چند دیگر فضیلتیں

اب ہم اس پہلو سے جائزہ لیتے ہیں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی سیرت میں اسلام و ایمان کے ساتھ تعلق کی وجہ سے ایثار و قربانی کی اور کیا کیا فضیلتیں ہیں جن پر ذوالنورین کا معزز لقب صادق آتا ہے۔

i) ذُوہجرتوں کا شرف : کتب احادیث میں منقول ہے کہ حبشہ کی طرف سب سے پہلے ہجرت کرنے والوں میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شامل تھے۔ آپ کے ساتھ آپؓ کی زوجہ محترمہ' رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ اس ہجرت کے متعلق نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہما السلام کے بعد (شوہر و

بیوی ایک ساتھ) ہجرت کرنے والا یہ پہلا جوڑا ہے۔ یہ روایت امام حاکمؒ نے اپنی مستدرک میں عبد الرحمٰن بن اسحاق بن سعد سے روایت کی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ "عثمانؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے لوط علیہ السلام کے بعد اپنی اہلیہ کے ساتھ ہجرت کی ہے"۔ اس سے غالباً جوانی کے عالم میں میاں بیوی کا ہجرت کرنا مراد ہے۔ آپؓ کی دوسری ہجرت مدینہ النبی کی طرف ہے۔ چنانچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو راہ حق میں ھجرتین کی سعادت نصیب ہوئی۔ اس لحاظ سے بھی آپؓ ذوالنورین کے لقب کے مصداق قرار پاسکتے ہیں۔

ii) ذوالقرنین اور اصحاب کہف سے مماثلت : جن حضرات نے سورۂ کہف کا بنظر غائر مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ اس کے دوسرے رکوع میں اصحاب کہف کا واقعہ بیان ہوا ہے اور سورہ کے آخری رکوع سے ماقبل حضرت ذوالقرنین کی فتوحات کے تذکرے کے ساتھ ہی ان کی سیرت میں ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کے اوصاف کو نمایاں کیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب ذوالقرنین ایک خدا پرست، خدا ترس اور نیک بادشاہ تھے۔ قرآن شہادت دیتا ہے کہ ﴿اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا۝﴾ واقعہ یہ ہے کہ وہ اُس دور کی ایک عظیم ترین سلطنت کے شہنشاہ تھے۔ اصحابِ کہف کون تھے؟ از روئے قرآن یہ وہ نوجوان تھے جو ایک مشرکانہ ماحول اور مشرک بادشاہ کے دور میں توحید کے ساتھ اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لائے، جس کی وجہ سے ان کی جان کو خطرہ لاحق ہو گیا تھا اور وہ نوجوان اپنا ایمان اور اپنی جان بچانے کے لئے ایک پہاڑ کی کھوہ میں پناہ گزیں ہونے پر مجبور ہو گئے تھے۔

ان دونوں واقعات سے جو بات سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ انتہائی حالات ہیں جن سے اس دنیا میں اہل ایمان کو سابقہ پیش آسکتا ہے۔ اصحاب کہف جیسے حالات بھی پیدا ہو سکتے ہیں کہ جن میں ایمان اور جان بچانے کے لئے کہیں پناہ گزیں ہونا پڑے اور حضرت ذوالقرنین کی طرح یہ صورت حال بھی پیش آسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو اپنے فضل سے سطوت، شان و شوکت اور ایک عظیم سلطنت سے نوازے۔ اب آپ خلافت راشدہ کی تاریخ میں دیکھئے کہ خلفائے راشدین میں سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ذات میں یہ دونوں

شانیں اور کیفیات مجتمع نظر آئیں گی۔ حضرت عثمانؓ کی سطوت' حکومت اور سلطنت وسعت کے اعتبار سے حضرت ذوالقرنین کی سلطنت و حکومت سے سہ چند تھی۔ تاریخی لحاظ سے حضرت ذوالقرنین کی سلطنت کی حدود مکران سے لے کر بحیرۂ روم کے ساحل تک تھیں۔ اس میں دارا اول کے دَور میں مزید وسعت ہوئی' لیکن اس سلطنت کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دَورِ خلافت میں اسلامی مملکت کی حدود سے کوئی تقابل نہیں ہے۔ پورا جزیرہ نمائے عرب' پھر حضرت ذوالقرنین کی سلطنت کی جو مشرقی سرحد تھی' اس سے لے کر تا بخاک کاشغر کا علاقہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دور میں اسلام کے پرچم تلے تھا۔ اس کے علاوہ پورا شمالی افریقہ مصر سے لے کر مراکش تک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زیر نگیں تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں صرف مصر اسلامی مملکت میں شامل ہوا تھا لیکن حضرت عثمانؓ کی حدودِ سلطنت ماوراء النہر کو پھاند کر بلخ و بخارا اور کاشغر و تاشقند تک وسیع ہو چکی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی حضرت عثمانؓ اصحاب کہف جیسی حالت سے بھی دوچار ہوئے اور آپؓ فتنہ کے زمانے میں باغیوں کی دست درازیوں کی وجہ سے چالیس دن رات سے بھی زیادہ عرصہ اپنے گھر میں اس حال میں محصور رہے کہ پینے کے لئے پانی تک موجود نہیں ـــــ یہ دونوں شانیں کہ حضرت ذوالقرنین سے سہ چند سطوت و سلطنت اور اصحاب کہف کی طرح محصوری و پناہ گزینی' حضرت عثمانؓ کی زندگی میں جو نظر آتی ہیں' ان کو بھی ہم ذوالنورین کے لقب کا مصداق قرار دے سکتے ہیں۔

iii) غزوۂ بدر اور حدیبیہ میں آپؓ کا موجود تصور کیا جانا : حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زندگی میں دو ایسے مواقع بھی پیش آئے کہ آپ رضی اللہ عنہ ذاتی حیثیت سے موجود نہیں ہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے موجود قرار دیئے جاتے ہیں ـــــ پہلا واقعہ غزوۂ بدر کے موقعہ پر پیش آیا۔ اُس وقت حضرت رقیہؓ کافی علیل تھیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے غزوۂ بدر کے موقع پر حضرت عثمانؓ کو اپنی صاحبزادی کی تیمارداری کے لئے مدینہ میں چھوڑ دیا تھا' اور فرمایا تھا کہ آپ کو بدر کی شرکت کا ثواب اور اس کا حصہ ملے گا۔ مزید برآں صحیح روایات میں مذکور ہے کہ غزوۂ بدر کے بعد' جس میں اللہ تعالیٰ نے تین سو تیرہ بے سروسامان مسلمانوں کے جتھے کو

کفار کے ایک ہزار کے مسلح لشکر جرار پر فتح عنایت فرمائی تھی، جس کے نتیجہ میں ابو جہل سمیت ستر صنادیدِ عرب کافر کھیت رہے تھے اور قریش کا سارا غرور اللہ تعالیٰ نے خاک میں ملا دیا تھا اور جس میں ستر کے قریب کفار مسلمانوں کی قید میں آئے تھے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر کے غنائم میں سے حضرت عثمانؓ کو وہی حصہ مرحمت فرمایا جو دوسرے بدری صحابہؓ کو مرحمت کیا گیا تھا۔ گویا حضرت عثمانؓ کو اس غزوے میں مجازی طور پر شریک قرار دیا جبکہ حقیقی طور پر وہ شریک نہیں تھے۔

دوسرا واقعہ حدیبیہ کے موقع پر پیش آیا۔ آپ کو معلوم ہے کہ ۶ھ میں نبی اکرم ﷺ عمرے کی نیت سے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ مکّہ روانہ ہوئے۔ اثنائے سفر میں معلوم ہوا کہ قریش مکّہ مرنے مارنے پر تلے ہوئے ہیں اور انہوں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ چاہے خون کی ندیاں بہہ جائیں، وہ مسلمانوں کو عمرہ نہیں کرنے دیں گے۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے حدیبیہ کے مقام پر قیام فرمایا۔ ضرورت محسوس ہوئی کہ قریش مکّہ کے پاس سفارت بھیجی جائے جو ان کو سمجھا سکے کہ مسلمان لڑائی کی غرض سے نہیں آئے ہیں اور ان کا مقصد صرف عمرہ ادا کرنا ہے، نیز ان مسلمانوں کو بھی تسکین دے سکے جو مکّہ میں محصوری کے عالم میں زندگی بسر کر رہے ہیں اور کفارِ مکّہ کے جور و ستم کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ اس سفارت کے لئے نبی اکرم ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا انتخاب فرمایا اور ان کو قریش مکّہ سے سلسلہ جنبانی کرنے اور ان مسلمانوں کو جو مکّہ میں قریش کی قید میں تھے، تسلی دینے کے لئے مکّہ روانہ فرمایا۔

نبی اکرم ﷺ کا یہ انتخاب حضرت عثمانؓ کی بہت سی فضیلتوں کی دلیل ہے۔ پہلی یہ کہ حضرت عثمانؓ حضورؐ کے معتمد علیہ اصحاب میں شامل ہیں۔ دوسری یہ کہ حضرت عثمانؓ قریش کے نزدیک بھی معزز ترین اشخاص میں شمار ہوتے تھے۔ تیسری یہ کہ جب حضرت عثمانؓ مکّہ چلے گئے تو اصحاب رسولؐ میں سے چند ایک نے یہ کہا کہ عثمانؓ کو خانہ کعبہ کا طواف مبارک ہو۔ حضورؐ نے یہ بات سنی تو فرمایا کہ "مجھے یقین ہے کہ اگر عثمانؓ مکّہ میں زمانۂ دراز تک رہیں تو بھی وہ اُس وقت تک طواف نہیں کریں گے جب تک میں طواف نہ کرلوں"۔ اللہ! اللہ! کتنا اعتماد تھا حضورؐ کو جنابِ عثمانؓ پر ـــــ اور ہوا بھی یہی کہ

حضرت عثمانؓ کے چچا زاد بھائی ابان بن سعید بن عاص نے ان کو مکّہ میں اپنی پناہ میں لے لیا' اور ان کو دعوت دی کہ وہ طواف کرلیں۔ لیکن اِس محب رسولؐ نے کہا کہ "جب تک نبی اکرم ﷺ طواف نہیں کرلیں گے میں طواف نہیں کرسکتا"۔ چوتھی یہ کہ جب یہ خبر مشہور ہوگئی کہ حضرت عثمانؓ کو مکّہ والوں نے شہید کرڈالا ہے' تو حضورؐ نے حضرت عثمانؓ کے قصاص کے لئے تمام صحابہ کرام سے بیعت لی' جن کی تعداد مختلف روایات کے مطابق ۱۴۰۰ سے لے کر ۲۴۰۰ تک بیان ہوئی ہے اور جو "بیعت رضوان" کے نام سے مشہور ہے۔ نیز جس کے متعلق سورۃ الفتح میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝﴾ "(اے نبیؐ) بے شک اللہ مومنوں سے راضی ہوگیا جب وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کررہے تھے' ان کے دلوں کا حال اُس کو (یعنی اللہ کو) معلوم تھا۔ اُس نے ان پر سکینت نازل فرمائی اور ان کو انعام میں فتح قریب بخشی"۔

غور کیجئے خون عثمانؓ کی حضورؐ کی نگاہ میں اتنی قدر و منزلت اور وقعت تھی کہ حضرت عثمانؓ کے خون کا قصاص لینے کے لئے نبی اکرم ﷺ اپنے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بیعت لیتے ہیں ـــــ یہی وہ دوسرا موقع ہے جس میں حضورؐ نے حضرت عثمانؓ کے حقیقی طور پر موجود نہ ہونے کو بھی مجازی طور پر موجود قرار دیا۔ چنانچہ "بیعت رضوان" کے موقع پر حضورؐ نے اپنا دایاں ہاتھ اٹھا کر فرمایا کہ "یہ عثمانؓ کا ہاتھ ہے" اور بایاں ہاتھ اٹھا کر فرمایا کہ "یہ میرا ہاتھ ہے" اور یہ فرما کر اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ کر فرمایا کہ "یہ عثمانؓ کی طرف سے (اگر وہ زندہ ہیں) بیعت ہے"۔ یہ حضرت عثمانؓ کی بہت بڑی فضیلت ہے کہ وہ موجود نہ ہوتے ہوئے بھی "بیعت رضوان" میں داخل ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ "حضورؐ نے حضرت عثمانؓ کو مکّہ اس لئے روانہ کیا تھا کہ مکّہ والوں کے نزدیک آپؓ سے زیادہ کوئی صاحب عزت نہ تھا۔ بیعت رضوان آپؓ کے قتل کی خبر پھیلنے کے بعد ہوئی۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنے دائیں ہاتھ کی طرف اشارہ فرمایا اور اسے دوسرے پر ہاتھ مار کر ارشاد فرمایا کہ یہ عثمانؓ کی بیعت ہے"۔

اللہ! اللہ! خون عثمانؓ کے قصاص کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تقریباً

۲۴۰۰ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے بیعت لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس بیعت پر اپنی خوشنودی اور رضامندی کا اظہار فرماتا ہے۔ اس کے بعد بھی حضرت عثمانؓ کی فضیلت میں کوئی شک کرے' ان کی تنقیص کرے' ان پر اعتراضات و اتہامات وارد کرے اور ان کی شخصیت کو مجروح کرنے کی کوشش کرے تو اس کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں محاسبہ کا جواب بھی سوچ لے۔

غزوۂ بدر اور حدیبیہ دونوں مواقع پر اگرچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حقیقی طور پر موجود نہیں ہیں لیکن حضور ﷺ ان کو مجازی طور پر موجود قرار دیتے ہیں۔ اس لحاظ سے بھی "ذوالنورین" کا لقب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بالکل راست آتا ہے!

iv) <u>دورِ فاروقی اور دورِ علوی کی جھلک</u> : حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں حضرت عمر فاروق اور حضرت علی حیدر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ادوارِ خلافت کے رنگ بھی نمایاں نظر آتے ہیں۔ یہ دونوں اصحاب رسولؐ نہ صرف عشرۂ مبشرہ میں بلکہ مسلمہ طور پر خلفائے راشدین میں شامل ہیں' اور فضیلت کے لحاظ سے پوری امت میں حضرت عمر فاروقؓ دوسرے نمبر پر اور حضرت علی حیدرؓ چوتھے نمبر پر فائز ہیں۔

آپ کو معلوم ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مراحل سے گزر کر تئیس سالہ جاں گسل جدوجہد اور محنت شاقہ کے بعد اپنی بعثت کے اس امتیازی مقصد کی تکمیل فرمادی' جو خاتم النبیین ہونے کی وجہ سے آپؐ کا فرض منصبی تھا' اور جو قرآن حکیم میں تین مرتبہ بایں الفاظ میں بیان ہوا ہے : ﴿هُوَالَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ﴾ "وہی ہے (اللہ) جس نے بھیجا اپنا رسول الہدیٰ اور دین حق دے کر تاکہ اسے غالب کردے کل جنس دین پر"۔ چنانچہ آنحضور ﷺ کی حیات طیبہ میں جزیرہ نمائے عرب میں اللہ کا دین بہ تمام و کمال قائم ہوگیا اور ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾ کی شان بالفعل نظر آنے لگی اور ﴿وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِیَ الْعُلْیَا﴾ کے مصداق اللہ ہی کا کلمہ سب سے بلند و بالا ہوگیا۔

ختم المرتبت محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد' جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں' عرب میں اسلامی انقلاب کے خلاف ایک شدید ردعمل پیدا ہوا۔ چنانچہ بہت سے جھوٹے

مدعیانِ نبوت کھڑے ہو گئے، چند قبائل مرتد ہو گئے، بعض مضبوط قبائل نے زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کر دیا۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان تمام فتنوں کو فرو کیا۔ دراصل صدیق کا مقام ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ رسول کے کام کو مستحکم کرتا ہے، معاندین کی قوت کو کچلتا ہے اور ہر ردعمل کو ختم کرتا ہے۔ چنانچہ صدیق اکبر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ڈھائی سالہ دورِ خلافت اسی شان کا مظہر نظر آتا ہے۔ اس کام کی تکمیل کے بعد وہ بھی رخصت ہو گئے۔

اِس کے بعد دورِ فاروقی شروع ہوتا ہے، جس کو ایک جملہ میں بیان کرنے کی کوشش کی جائے تو یوں کہا جا سکتا ہے کہ باغ اپنی پوری بہار پر آگیا ـــــ حقیقت یہ ہے کہ خلافتِ راشدہ دورِ فاروقی میں اپنے عروج پر نظر آتی ہے۔ اس دور میں داخلی استحکام کے ساتھ فتوحات کا طویل سلسلہ شروع ہوا۔ اسلامی سلطنت میں اصل توسیع دورِ فاروقی میں ہوئی ہے۔ سلطنت کسریٰ کا نام و نشان اسی دور میں صفحۂ ہستی سے محو ہوا اور وہ ایک داستان پارینہ بن کر رہ گئی۔ سلطنت روما کی بھی ایک ٹانگ اسی دور میں ٹوٹ چکی تھی۔ قیصر روم کا تین برِ اعظموں مغربی ایشیا، یورپ اور شمالی افریقہ کے اکثر حصہ پر تسلط تھا، اس میں سے مغربی ایشیا کی حد تک روما کی سلطنت کا اسی دَور میں خاتمہ ہوا ـــــ اور پھر دورِ عثمانی میں اسلامی سلطنت کی سرحدیں ماوراء النہر تک پھیل گئی گئیں۔ ذرا تصور کیجئے کہ اُس وقت کا لیبیا، تیونس، الجزائر، اور مراکش حضرت عثمانؓ کے دور میں اسلام کے پرچم تلے آچکا تھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کے بارے میں لوگوں کے ذہن میں یہ بات بٹھادی گئی ہے کہ شاید یہ فتنہ اور فساد ہی کا دور تھا ـــــ یہ بہت بڑا مغالطہ، بلکہ صریح بہتان و افترا ہے۔ خلفائے اربعہ میں سے سب سے زیادہ طویل دورِ خلافت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کا دور تقریباً ڈھائی سال رہا، حضرت عمرؓ کا دور تقریباً دس سال رہا، حضرت علیؓ کا دور تقریباً پونے پانچ سال اور حضرت عثمانؓ کا دور تقریباً بارہ سال رہا۔ خلافت عثمانیہ کے اس بارہ سالہ طویل دَور میں فاروقی اور علوی دورِ خلافت کے دونوں رنگ موجود ہیں۔ حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت کے پہلے آٹھ سال میں امن و امان اور دبدبہ کا وہی رنگ رہا ہے جو دورِ فاروقی میں نظر آتا ہے۔ اِن آٹھ سالوں میں وہی عدل و انصاف اور داخلی استحکام کی وہی کیفیت ہے جو دورِ فاروقی کا طرۂ امتیاز رہی ہے۔ ساتھ ہی

ساتھ مجاہدین اسلام کے قدم آگے بڑھتے چلے جا رہے ہیں اور فتوحات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت کے بعد دشمنان اسلام نے یہ سمجھا تھا کہ شاید اسلامی حکومت قائم نہ رہ سکے گی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کی شہادت کے فوراً بعد بعض مفتوحہ' خاص طور پر ایران کے اکثر علاقوں میں شورشیں اور بغاوتیں شروع ہوئیں' لیکن حضرت عثمان غنیؓ نے ان میں سے ایک ایک کو فرو کر دیا اور حالات پر پوری طرح قابو پا لیا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے دین کے غلبے کے لئے نئے نئے اقدامات کئے۔ بحر اوقیانوس کے ساحل تک شمالی افریقہ فتح ہو گیا۔ یہ جنگ' جنگ عبادلہ کہلاتی ہے۔ حضرت عبداللہؓ بن سعد بن ابی سرح اس مہم کے کمانڈر انچیف تھے اور اس میں حضرت عبداللہ بن عباس' حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بھی شریک تھے۔ اسی جنگ کے نتیجے میں پورے شمالی افریقہ کی قسمت بدل گئی اور سلطنت روما کا جھنڈا وہاں سرنگوں ہو گیا اور دین مبین کا پرچم لہرانے لگا۔

عثمانی خلافت کے آخری چار سال حضرت علیؓ کے دورِ خلافت کے مماثل نظر آتے ہیں۔ خلافت عثمانی میں یہودیوں اور مجمیوں کی سازشوں نے سر اٹھانا شروع کیا اور اس فتنے کے نتیجے ہی میں شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کا سانحہ فاجعہ ظہور پذیر ہوا اور یہ فتنہ حضرت علی حیدر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اپنے عروج پر پہنچا۔ علوی خلافت کے تقریباً پونے پانچ سال اسی فتنہ و فساد اور خانہ جنگی کی نذر ہوئے اور اسی دور میں جنگ جمل اور جنگ صفین ظہور پذیر ہوئیں اور بالآخر اسی فتنہ نے چوتھے خلیفہ راشد حضرت علیؓ کی شمع حیات گل کر دی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؓ کے دور میں غلبہ دین کی سمت ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھا' نہ اسلامی سلطنت کی سرحدیں آگے پھیلیں ـــــ بہرحال یہاں یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ عثمانی دورِ خلافت میں دورِ فاروقی اور دورِ علوی دونوں کی کیفیات جمع ہیں۔ پہلے آٹھ سال دورِ فاروقی کا کامل عکس نظر آتے ہیں جبکہ آخری چار سال وہ ہیں جن میں دشمنان اسلام کی ریشہ دوانیوں نے سر اٹھانا شروع کیا تھا' جس کے نتیجے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ انتہائی مظلومی کی حالت میں شہید کئے گئے اور جو دورِ خلافت علوی میں ایک ہولناک فتنے کی شکل

میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گیا۔ چنانچہ مسلمان آپس ہی میں دست و گریبان ہو گئے اور چوراسی ہزار کلمہ گو ایک دوسرے کے ہاتھوں تہ تیغ ہوئے۔ کفار کے ساتھ اِس دَور میں جنگ و قتال کا کوئی معرکہ پیش نہیں آیا۔ اس فتنہ اور سازش کے اسباب کچھ اختصار کے ساتھ آگے بیان ہوں گے' یہاں صرف اتنا سمجھ لیجئے کہ ایسے فتنوں کے کچھ ظاہری اسباب ہوتے ہیں جو نظروں کے سامنے ہوتے ہیں اور کچھ مخفی اور باطنی اسباب ہوتے ہیں جو نظر تو نہیں آتے لیکن فیصلہ کن کردار یہی مخفی و باطنی اسباب ادا کرتے ہیں۔

اس ضمن میں یہ بات پیش نظر رہنی ضروری ہے کہ علوی دورِ خلافت میں جو بدامنی' خانہ جنگی اور مسلمانوں کے مابین خون ریزی ہوئی تو حاشا و کلا اس کا کوئی الزام ہم امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات گرامی پر نہیں لگاتے۔ یہ جسارت ہم کیسے کر سکتے ہیں؟ پوری اُمت مسلمہ کے نزدیک حضرت علیؓ چوتھے خلیفہ راشد ہیں۔ وہ فضیلت کے اعتبار سے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں چوتھے نمبر پر ہیں۔ گویا ہم ابوبکر صدیق' عمر فاروق' اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے بعد سب سے زیادہ افضل حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مانتے ہیں۔ اس فتنہ و فساد میں ان کی کوئی کمزوری شامل نہیں تھی' وہ برحق خلیفہ راشد تھے۔ صورتحال یہ تھی کہ سازش کی آگ اس طرح بھڑکا دی گئی تھی کہ نہ حضرت عثمانؓ اس کو فرو کر سکے اور نہ ہی حضرت علیؓ۔ اگر حضرت علیؓ فتنہ و فساد فرو نہ کر سکے تو اس کا ذرہ بھر الزام بھی حضرت علیؓ کی ذات گرامی پر نہیں آتا۔ بالکل یہی بات حضرت عثمانؓ پر بھی راست آتی ہے۔ اگر وہ فتنہ کو فرو نہ کر سکے تو کتنا بڑا ظلم ہے کہ سارا الزام آپؓ پر رکھ دیا جائے۔ کیسا تضاد ہے کہ ایک خلیفہ کے زمانے میں پورا دورِ خلافت فتنہ و فساد کی نذر ہو گیا اور وہ فتنہ اتنا شدید تھا کہ وہ حالات پر قابو نہ پا سکے اور فتنہ کو فرو نہ کر سکے تب بھی وہ سب کی نگاہ میں شیر خدا ہیں اور کسی دوسرے کے دور میں جبکہ ان کا دو تہائی دور' دورِ فاروقی کے مثل ہو اور صرف ایک تہائی دور میں فتنہ و فساد سر اٹھائے تو ان کے بارے میں یہ حکم لگایا جائے کہ وہ کمزور تھے' ان میں فلاں نقص تھا یا فلاں کمی تھی وغیرہ ـــــ انسان ذرا بھی سوچے اور انصاف بینی سے کام لے تو فکر کا یہ تضاد بالکل مبرہن ہو کر سامنے آجائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں کے طرز فکر پر انتہائی

ملال اور افسوس ہوتا ہے جو کیسی کیسی بے بنیاد باتوں کو بنیاد بنا کر حضرت عثمانؓ سے سوئے ظن پیدا کرنے کی جسارت کرتے ہیں۔ اور ان لوگوں پر رحم آتا ہے جو ان پر اعتبار کر کے حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے متعلق اپنی رائے کو مجروح کر لیتے ہیں اور اپنی آخرت کو برباد کرتے ہیں۔

ذُوالنّورینؓ کے خلاف اعتراضات کی حقیقت

آپ کو شاید معلوم ہو کہ معاندین عثمانؓ نے دورِ عثمانی ہی میں حضرت عثمانؓ پر مسجد نبوی میں صحابہؓ اور تابعین کے بھرے مجمع میں بارہ الزامات اور اعتراضات عائد کئے تھے، جن کی صفائی حضرت عثمانؓ نے اسی مجمع میں پیش کر دی تھی، جس کی تصویب و تائید خود حضرت علیؓ اور دیگر اکابر و اعاظم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کی تھی۔ مفسدین نے بعد میں جب یورش کر کے مدینہ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ کر لیا تو اس موقع پر حضرت علیؓ نے باغیوں کے ایک گروہ سے پوچھا کہ آخر ان کو خلیفہ وقت اور امیر المومنین سے کیا شکایت ہے؟ ان لوگوں نے ان ہی بارہ اعتراضات کا اعادہ کر دیا، جن کی صفائی حضرت عثمانؓ ایک بھرے مجمع میں کر چکے تھے اور دوسرے اکابر صحابہؓ کے ساتھ حضرت علیؓ بھی اس کی تصویب و تائید اور توثیق کر چکے تھے۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے اس موقع پر بھی اس گروہ کے سامنے حضرت عثمانؓ کی طرف سے پیش کردہ صفائی اپنی تصویب کے ساتھ پیش کر دی اور ان کے عائد کردہ تمام الزامات و اعتراضات سے حضرت عثمانؓ کو بری قرار دیا ـــــ یہ اور بات ہے کہ مفتریوں کے ارادے ہی خراب تھے۔ اس لئے انہوں نے حضرت علیؓ کی تصویب و تائید کو تسلیم نہیں کیا۔ لیکن حیرت کی بات تو یہ ہے کہ عصر حاضر کے ایک صاحب علم اور صاحب قلم، جنہوں نے دین کی خدمت میں کافی مفید کام کئے ہیں اور جن کا بلاشبہ چوٹی کے اہل فکر علماء میں شمار ہوتا ہے، اپنی ایک کتاب میں ان ہی بارہ الزامات و اعتراضات کو بیان کرتے ہوئے حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ پر ایسی تنقید کی ہے جس سے صریح طور پر آپؓ کی تنقیص ہوتی ہے اور آپؓ کے خلاف سوئے ظن پیدا ہوتا ہے۔ اسی کتاب کے ایک باب میں حضرت عثمان کے علاوہ حضرت امیر معاویہ اور

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ پر بھی دل آزار تنقید کی گئی ہے' جس سے مسلمانانِ پاک و ہند کے قلوب انتہائی مجروح ہوئے ہیں اور "اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے" والا معاملہ پیش آیا ہے۔ چنانچہ اس پر ایک گروہ کی طرف سے تو خوشنودی کے ڈونگرے برسائے گئے اور بغلیں بجائی گئیں کہ دیکھ لو' یہ "سنی" بھی وہی کچھ کہہ رہے ہیں جو ہم کہتے آئے ہیں۔ پھر سنی بھی کیسں پائے کے! وہ جو مفکر اسلام اور مفسر قرآن ہیں —— یہ درحقیقت ہماری بدقسمتی اور شامت اعمال ہے۔

ویسے اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ وہ زندہ میں سے مُردہ اور مُردے میں سے زندہ برآمد کرتا ہے اور شر میں سے خیر نکال لاتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس دل آزار کتاب کے نتیجے میں تاریخی لٹریچر میں بالخصوص بہت سی مفید کتابوں کا اضافہ ہوا۔ ہمارے ہاں تحقیق و تعمق کے کام میں عرصہ سے جو تعطل و جمود تھا' وہ ٹوٹا۔ چنانچہ تاریخ کو از سرنو کھنگالا گیا' اور اس کتاب میں حضرت عثمان' حضرت معاویہ اور حضرت عمرو بن العاص رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی پاک سیرتوں کو داغدار کرنے کی جو کوشش کی گئی تھی' اس کا ازالہ کیا گیا۔ اسی سلسلہ کی ایک کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے پروفیسر مرزا محمد منور صاحب نے "میثاق" میں ایک بڑا پیارا جملہ لکھا تھا کہ: "حضرت عثمانؓ پر لگائے ہوئے الزامات و اعتراضات کا اعادہ کر کے اپنی تنقید کی تعمیر کی بنیاد قائم کرنے والے ان مشہور مصنف کے نزدیک شاید حضرت علیؓ کی حیثیت (نعوذ باللہ) کرائے کے وکیل کی تھی' جنہوں نے غالباً فیس لے کر حضرت عثمانؓ کی مدافعت کی تھی...."

سوچنے کا مقام ہے کہ جن اعتراضات و الزامات کی صفائی کی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوری دیانت داری سے تصویب و توثیق کی ہو' کیونکہ آپؓ کی امانت و دیانت ہمارے نزدیک مسلم ہے' تو پھر چودہ سو سال بعد بلوائیوں کے الزامات کا اعادہ کرنا کیا حضرت علیؓ کی بھی تنقیص نہیں ہوگی؟ کیا اس طرح ان کی امانت و دیانت مجروح نہیں ہوگی اور اُن کی ذات پر حرف نہیں آئے گا؟ اللہ شرورِ نفس سے بچائے' ورنہ واقعہ یہ ہے کہ اچھے اچھے معقول لوگ کیسی کیسی ٹھوکریں کھاتے ہیں —— یہ اسی کتاب کی تنقیدوں کا شاخسانہ ہے کہ اس سے متأثر ہو کر ہمارے کتنے ہی سُنّی بھائی حضرت عثمانؓ سے سوئے ظن میں مبتلا ہو

گئے ہیں اور کتنے ہی ہیں جو حضرت امیر معاویہؓ اور فاتح مصر حضرت عمروؓ بن العاص کے نام ادب سے نہیں لے سکتے بلکہ ان کی شان میں گستاخانہ اسلوب اختیار کرتے ہیں۔ ذہنوں کو اتنا مسموم کر دیا گیا ہے کہ خود سنیوں کے ایک گروہ میں، چاہے وہ تعداد کے لحاظ سے قلیل ہی کیوں نہ ہو، ان تینوں جلیل القدر صحابہؓ کے علاوہ بہت سے دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف سوئے ظن پیدا ہو گیا ہے، جن میں اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، حواری رسولؐ حضرت زبیرؓ بن العوام اور حضرت طلحہؓ بھی شامل ہیں۔

صحابہؓ پر تنقید آنحضورؐ کی تنقیص ہے

اِس موقع پر یہ بات اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ اگر کوئی شخص صحابہ کرامؓ اور بالخصوص خلفائے راشدین، عشرۂ مبشرہ، اصحاب بدر، اور اصحاب بیعت رضوان (رضی اللہ عنہم) پر تنقید کرتا ہے، ان کی تنقیص کرتا ہے، ان پر زبان طعن دراز کرتا ہے اور ان کا ادب و احترام ملحوظ نہیں رکھتا تو معاملہ اس حد تک محدود نہیں رہتا بلکہ خالص علمی تجزیہ کیا جائے تو اس کی زد میں سرورِ عالم، محبوب خدا، خاتم النبین والمرسلین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی بھی آ جاتی ہے۔ اس لئے کہ کسی کے تربیت یافتہ اور شاگرد میں کوئی کمی یا نقص یا کوئی تقصیر ہو تو مربی، معلم اور استاد اس سے بالکل بری نہیں ہو سکتا۔ وہ بھی کسی نہ کسی درجہ میں ذمہ دار قرار پاتا ہے۔ اسی بات کو حضورؐ کی اس حدیث میں واضح کیا گیا ہے :

((اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِي اَصْحَابِي ، لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا بَعْدِي ، فَمَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّي اَحَبَّهُمْ ، وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِي اَبْغَضَهُمْ ، وَمَنْ آذَاهُمْ فَقَدْ آذَانِي ، وَمَنْ آذَانِي فَقَدْ آذَى اللّٰهَ ، وَمَنْ آذَى اللّٰهَ فَيُوشِكُ اَنْ يَّاْخُذَهٗ)) (رواہ الترمذی)

"میرے صحابہؓ کے بارے میں اللہ سے ڈرو، ان کو میرے بعد نشانہ نہ بناؤ۔ پس جس شخص نے ان کو محبوب جانا تو میری محبت کی وجہ سے محبوب جانا اور جس شخص نے ان کے ساتھ بغض رکھا تو میرے ساتھ بغض کی وجہ سے ان

[باقی صفحہ ۸۰ پر ملاحظہ فرمائیے!]

غلطیوں کی اصلاح کا نبویؐ طریق کار

تالیف : علامہ محمد صالح المُنجد' مترجم : مولانا عطاء اللہ ساجد

(تیسری قسط)

لوگوں کی غلطیوں کی اصلاح کے لئے
نبی اکرم ﷺ کے اختیار کردہ مختلف اسلوب

۱) غلطی کی فوری اصلاح :

نبی اکرم ﷺ تنبیہہ فرمانے میں جلدی کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ آپؐ کے لئے یہ جائز نہیں تھا کہ جب وضاحت کی ضرورت ہو آپؐ اس وقت بیان کرنے کے بجائے اسے ملتوی کر دیں۔ آپؐ اس بات کے مکلف تھے کہ لوگوں کو حق بتائیں' نیکی کی طرف رہنمائی فرمائیں اور برائی سے روکیں۔ لوگوں کی غلطیوں کی فوری اصلاح کی مثال میں آنحضرت ﷺ کی زندگی میں پیش آنے والے متعدد واقعات ذکر کئے جاسکتے ہیں۔ مثلاً اُس صحابی کا واقعہ جنہوں نے نماز اچھی طرح نہیں پڑھی تھی' بنو مخزوم کی خاتون کا واقعہ' ابن لُتبیہ کا واقعہ' حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ اور اُن تین حضرات کا واقعہ جنہوں نے عبادت میں جائز حد سے بڑھ کر شدت سے کام لینے کا ارادہ کیا تھا۔ ان واقعات کی تفصیل اپنے اپنے مقام پر آئے گی۔ اِن شاء اللہ

غلطی پر تنبیہہ کرنے میں تاخیر کی صورت میں بعض اوقات اصلاح کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے اور فائدہ حاصل نہیں ہوتا' بعض اوقات موقع ہاتھ سے نکل جاتا ہے' یا بعد میں بات کرنے کی کوئی مناسبت نہیں بنتی' یا ذہنوں میں واقعہ کی اہمیت کم ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے تاثیر میں فرق آجاتا ہے۔

۲) غلطی کے ازالہ کے لئے شرعی حکم بیان کرنا :

حضرت جرہد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے پاس سے رسول اللہ ﷺ گزرے، اُس وقت ان کی ران سے کپڑا ہٹا ہوا تھا، نبی ﷺ نے فرمایا : "اپنی ران ڈھانک لو، یہ پردے کے اعضاء میں شامل ہے"۔ (۱)

۳) غلطی کرنے والے کو اس شرعی اصول کی طرف توجہ دلانا، جس کی مخالفت ہوئی ہو :

بعض اوقات پیش آمدہ حالات میں شرعی اصول ذہن سے اتر جاتا ہے، لہٰذا اس اصول و قاعدہ کے اعلان و اظہار سے غلطی کرنے والا راہ راست پر واپس آتا ہے، اور غفلت کا ازالہ ہو جاتا ہے۔ ایک بار منافقوں نے مہاجر اور انصاری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان فتنہ کی آگ بھڑکانے کی کوشش کی، جس کی وجہ سے ایک خطرناک حادثہ پیش آتے آتے رہ گیا۔ اس موقع پر جناب رسول اللہ ﷺ کا طرز عمل زیر بحث نکتہ کی ایک بہترین مثال ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا : ایک غزوہ میں ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ آپؐ کے ساتھ کافی تعداد میں مہاجرین بھی روانہ ہوئے تھے۔ مہاجرین میں ایک صاحب مزاحیہ طبیعت کے حامل تھے۔ انہوں نے (ہنسی ہنسی میں) ایک انصاری صحابی کو پاؤں سے ٹھوکر ماردی۔ انصاری صحابی کو شدید غصہ آیا حتیٰ کہ انہوں نے آوازیں دینا شروع کردیں۔ انصاری نے کہا : اے انصاریو! اس پر مہاجر نے کہا : اے مہاجرو! نبی اکرم ﷺ تشریف لائے اور فرمایا : "یہ جاہلیت والوں کی سی پکار کیوں؟" پھر فرمایا : "بات کیا ہوئی؟" آنحضرت ﷺ کو مہاجر کے انصاری کو ٹھوکر مارنے کی بات بتائی گئی۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا : "یہ بات ترک کردو، یہ ناپاک ہے"۔ (۲)

صحیح مسلم میں مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا : "آدمی کو اپنے بھائی کی مدد کرنی چاہئے، خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ اگر وہ ظالم ہے تو اسے ظلم سے منع کرے، یہی

اس کی مدد ہے' اور اگر مظلوم ہے تو اس کی مدد کرے"۔ (۳)

۴) غلطی کا سبب بننے والی غلط فہمی کی اصلاح :

صحیح بخاری میں حضرت حمید بن ابی حمید طویل رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث سنی۔ انہوں نے فرمایا : تین آدمی اُمہات المومنین رضی اللہ عنہن کی خدمت میں حاضر ہوئے' اور انہوں نے (پردے کے پیچھے سے) نبی اکرم ﷺ کی (نفل) عبادت کے متعلق سوال کیا۔ جب انہیں بتایا گیا (کہ رسول اللہ ﷺ اس انداز سے عبادت کرتے ہیں) تو انہوں نے محسوس کیا کہ یہ عبادت تھوڑی ہے۔ تاہم انہوں نے کہا : ہماری آنحضرت ﷺ سے کیا نسبت؟ ان کے تو اگلے پچھلے گناہ معاف ہو چکے ہیں (وہ تو اگر زیادہ عبادت نہ بھی کریں تو کوئی بات نہیں' ہمیں تو بہت زیادہ محنت کرنے کی ضرورت ہے)۔ ان میں سے ایک بولا : میں ہمیشہ رات بھر نماز (تہجد) پڑھا کروں گا۔ دوسرے نے کہا : میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا' کسی دن ناغہ نہیں کروں گا۔ تیسرے نے کہا : میں عورتوں سے الگ رہوں گا' کبھی نکاح نہیں کروں گا۔ (جب رسول اللہ ﷺ کو ان باتوں کا علم ہوا تو) آنحضرت ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا :

((اَنْتُمُ الَّذِيْنَ قُلْتُمْ كَذَا وَكَذَا؟ اَمَا وَاللّٰهِ اِنِّي لَاَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ وَاَتْقَاكُمْ لَهُ' لٰكِنِّي اَصُوْمُ وَاُفْطِرُ وَاُصَلِّي وَ اَرْقُدُ وَاَتَزَوَّجُ))

"تم لوگوں نے یہ یہ باتیں کی ہیں؟ اللہ کی قسم! میں تم سب سے زیادہ خوف خدا اور تقویٰ رکھتا ہوں' لیکن میں (نفلی) روزے رکھتا بھی ہوں اور چھوڑتا بھی ہوں' (رات کو) نماز (تہجد) بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں' اور میں نے نکاح بھی کئے ہوئے ہیں"۔ (۴)

صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ چند افراد نے اُمہات المومنین رضی اللہ عنہن سے آنحضرت ﷺ کے وہ اعمال دریافت کئے جو آپ گھر میں انجام دیتے تھے۔ (بعد میں) ایک نے کہا : میں عورتوں سے نکاح نہیں کروں گا۔ ایک نے کہا : میں گوشت نہیں کھاؤں گا۔ ایک نے کہا : میں بستر پر نہیں سوؤں گا۔ (جب نبی اکرم ﷺ کو معلوم ہوا) تو آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد ارشاد فرمایا :

((مَا بَالُ اَقْوَامٍ قَالُوا كَذَا وَكَذَا؟ لٰكِنِّي اُصَلِّي وَاَنَامُ وَاَصُومُ وَاُفْطِرُ وَاَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ' فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي))

"کیا وجہ ہے کہ کچھ لوگ فلاں فلاں بات کہتے ہیں۔ لیکن میں (رات کو) نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں' (نفلی) روزہ بھی رکھتا ہوں اور چھوڑتا بھی ہوں' اور میں عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ پس جو شخص میری سنت سے اعراض کرے گا' وہ مجھ سے (کوئی تعلق) نہیں (رکھتا)"۔(۵)

اس واقعہ میں مندرجہ ذیل امور قابل توجہ ہیں :

- نبی اکرم ﷺ ان حضرات کے پاس تشریف لائے' دوسرے لوگوں کو شریک کئے بغیر صرف ان حضرات سے بات کی اور جب عام لوگوں کو یہ مسئلہ بتانا چاہا تو ان حضرات کی طرف اشارہ کئے بغیر اور اُن کا نام لئے بغیر بات کی' ان کو رسوا نہیں کیا' بلکہ یوں فرمایا : "کیا وجہ ہے کہ کچھ لوگ فلاں فلاں بات کہتے ہیں؟" اس سے ان پر شفقت اور ان کی پردہ پوشی مقصود تھی' اور سب لوگوں کو مسئلہ بتانے کا مقصد بھی حاصل ہو گیا۔
- اِس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بزرگوں کے حالات اس مقصد سے معلوم کرنا درست ہے کہ ان کے اچھے کاموں کی پیروی کی جائے' اور یہ حالات معلوم کرنا اپنے نفس کی تربیت میں شامل ہے جو عقلمندی کی نشانی ہے۔
- اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مفید اور شرعی مسائل اگر مَردوں کے ذریعے معلوم کرنے میں کسی وجہ سے دشواری محسوس ہو' تو خواتین کے ذریعے معلوم کرنا بھی جائز ہے۔
- اپنے نیک اعمال کا ذکر کرنا جائز ہے بشرطیکہ ریاکاری کا خطرہ نہ ہو' اور بتانے سے دوسروں کو فائدہ ہو۔
- اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ عبادت میں اپنی جان پر سختی کرنے سے اکتاہٹ پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے جس کے نتیجہ میں عبادت سرے سے چھوٹ جاتی ہے' اس لئے بہتر کام وہ ہے جس میں میانہ روی اختیار کی جائے۔(۶)

○ عملی غلطی کی بنیاد تصور کی غلطی ہوتی ہے۔ جب بنیادی تصورات صحیح ہوں تو غلطیوں کی مقدار بہت کم ہو جاتی ہے۔ اس حدیث سے یہ واضح ہے کہ اُن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جو رہبانیت اور سخت کوشی اختیار کرنا چاہی تھی۔ اس کی وجہ یہ غلط فہمی تھی کہ نجات کی اُمید تبھی ہو سکتی ہے اگر نبی اکرم ﷺ کی عبادت سے زیادہ عبادت کی جائے' کیونکہ نبی اکرم ﷺ کو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت کی بشارت مل چکی ہے' جب کہ ان لوگوں کو یہ شرف حاصل نہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے ان کے اس غلط تصور کی اصلاح کر دی اور انہیں بتا دیا کہ آپ ﷺ اگرچہ مغفور ہیں' پھر بھی وہ اللہ تعالیٰ سے بہت ڈرنے والے اور تقویٰ رکھنے والے ہیں اور انہیں حکم دیا کہ عبادت میں آپ کی سنت اور طریقہ پر ہی قائم رہیں۔

اس سے ملتا جلتا واقعہ حضرت کعب ہلالی رضی اللہ عنہ کا ہے۔ وہ اپنا قصہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں : میں نے اسلام قبول کیا تو جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضور علیہ السلام کو اپنے قبول اسلام کی خبر دی۔ ایک سال بعد میں دوبارہ حاضر خدمت ہوا تو کیفیت یہ تھی کہ میرا جسم انتہائی دبلا پتلا ہو چکا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے نظر اٹھا کر مجھے اوپر سے نیچے تک اور نیچے سے اوپر تک دیکھا۔ میں نے عرض کیا : "حضور! آپ نے مجھے نہیں پہچانا؟" فرمایا : "تم کون ہو؟" میں نے کہا : "میں کعب ہلالی ہوں"۔ فرمایا : "تمہاری یہ حالت کیوں ہو گئی؟" میں نے کہا : "آپ کے پاس سے رخصت ہونے کے بعد میں نے کبھی دن میں روزہ نہیں چھوڑا' اور رات کو کبھی نہیں سویا"۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا : "تمہیں یہ حکم کس نے دیا کہ اپنی جان کو عذاب دو؟ صبر والے مہینہ (رمضان) کے روزے رکھو' اور ہر مہینہ میں ایک روزہ رکھو"۔ میں نے کہا : "مجھے اس سے زیادہ کی اجازت دیجئے"۔ فرمایا : "صبر والے مہینہ کے روزے رکھو' اور ہر مہینہ میں دو روزے رکھو"۔ میں نے کہا : "میں اپنے اندر طاقت محسوس کرتا ہوں' مجھے مزید اجازت دے دیجئے"۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا : "صبر کے مہینہ کے روزے رکھو' اور ہر مہینہ میں تین دن کے روزے رکھ لیا کرو"۔ (۷)

تصور کی اس غلطی کا تعلق بعض اوقات افراد کی قدر و قیمت کے تعین سے ہوتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے اس کی اصلاح اور توضیح کی طرف بھی خاص توجہ دی۔ صحیح بخاری میں حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا : جناب رسول اللہ ﷺ کے پاس سے ایک شخص گزرا۔ آنحضرت ﷺ نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے ایک صحابی سے فرمایا : "اس شخص کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟" انہوں نے عرض کیا : "یہ تو معزز لوگوں میں سے ہے' اللہ کی قسم! یہ تو ایسا آدمی ہے کہ اگر کسی سے رشتہ مانگے تو اس سے نکاح کر دیا جائے گا (ہر شخص خوشی سے رشتہ دینے کو تیار ہو گا)' اگر سفارش کرے تو اس کی سفارش قبول کی جائے گی"۔ جناب رسول اللہ ﷺ خاموش ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد ایک اور آدمی گزرا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا : "اِس شخص کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟" انہوں نے عرض کیا : "یارسول اللہ! یہ تو مفلس مسلمانوں میں سے ایک (عام سا) آدمی ہے۔ یہ تو اگر کسی سے رشتہ مانگے تو اس کا نکاح نہیں ہو گا' اگر سفارش کرے تو اس کی سفارش قبول نہ ہو' اگر بات کرے تو کوئی اس کی بات نہ سنے"۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا : "اُس (دولت مند) جیسے آدمیوں سے پوری زمین بھری ہوئی ہو تو ان سے یہ (مفلس مسلمان) بہتر ہے"۔[۸]

ابن ماجہ کی روایت میں یہ واقعہ ان الفاظ میں بیان ہوا ہے : جناب رسول اللہ ﷺ کے پاس سے ایک شخص گزرا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا : "اِس شخص کے بارے میں تم لوگ کیا کہتے ہو؟" انہوں نے عرض کیا : "ہم وہی کہتے ہیں جو آپ کی رائے ہے۔ (ویسے بظاہر یہ کیفیت ہے کہ) یہ ایک معزز شخص ہے۔ اگر یہ نکاح کا پیغام بھیجے تو اس کا پیغام قبول کیا جائے' اگر سفارش کرے تو اس کی سفارش مانی جائے' اگر بات کرے تو اس کی بات سنی جائے"۔ نبی ﷺ خاموش ہو گئے۔ ایک اور آدمی گزرا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا : "اِس شخص کے بارے میں تم لوگ کیا کہتے ہو؟" انہوں نے عرض کیا : "اللہ کی قسم! یارسول اللہ! (ہماری نظر میں تو) یہ ایک غریب مسلمان ہے' اگر نکاح کا پیغام بھیجے تو کوئی اسے رشتہ نہیں دے گا' اگر سفارش کرے تو اس کی سفارش قبول نہیں کی جائے گی' اگر بات کرے تو اس کی بات نہیں سنی جائے گی"۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا : "یہ (مفلس مسلمان) اُس (دولت مند) جیسے زمین بھر آدمیوں سے بہتر ہے"۔[۹]

۵) نصیحت اور بار بار تخویف کے ذریعے غلطی کی شدت کا احساس دلانا :

حضرت جُندب بن عبد اللہ بَجَلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے مشرکین کے مقابلے میں مسلمانوں کا ایک لشکر روانہ فرمایا۔ دونوں لشکروں کا باہم سامنا ہوا۔ (جنگ کے دوران ایسا ہوا کہ) مشرکین میں سے ایک مرد جس مسلمان کو چاہتا قتل کر دیتا۔ (اس کے ہاتھ سے متعدد مسلمان شہید ہو گئے) ایک مسلمان نے اسے غافل پا کر اس پر حملہ کیا۔ حضرت جندب رضی اللہ عنہ نے فرمایا : صحابہ کرام فرمایا کرتے تھے کہ وہ مسلمان اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہما تھے۔ جب انہوں نے اس پر تلوار اٹھائی تو اس نے (فوراً) کہہ دیا : لا الٰہ الا اللّٰہ۔ صحابی نے (پھر بھی) اسے قتل کر دیا۔ (واپسی پر) ایک صحابی نے آکر رسول اللہ ﷺ کو (فتح کی) خوش خبری دی، آنحضرت ﷺ نے ان سے حالات پوچھے، انہوں نے بتائے اور اس صحابی کی بات بھی بتائی کہ انہوں نے یہ کام کیا۔ آنحضرت ﷺ نے اس صحابی کو بلا کر پوچھا : "تم نے اس شخص کو کیوں قتل کر دیا؟" انہوں نے عرض کیا : "اس نے مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچایا، اور فلاں، فلاں شخص کو شہید کیا"۔ انہوں نے کئی حضرات کے نام لئے اور کہا : "میں نے اس پر حملہ کیا، اس نے جب تلوار دیکھی تو لا الٰہ الا اللّٰہ کہہ دیا"۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : "پھر تم نے اسے قتل کر دیا؟" انہوں نے کہا : "جی ہاں"۔ آپ ﷺ نے فرمایا : "قیامت کے دن جب لا الٰہ الا اللّٰہ حاضر ہو گا تو تم کیا کرو گے؟" انہوں نے کہا : "یا رسول اللہ! میرے لئے گناہ کی معافی کی دعا کیجئے"۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا : "قیامت کے دن جب لا الٰہ الا اللّٰہ حاضر ہو گا تو تم کیا کرو گے؟" حضور علیہ السلام بار بار یہی فرماتے رہے : "قیامت کے دن جب لا الٰہ الا اللّٰہ" حاضر ہو گا، تو تم کیا کرو گے؟"(۱۰)

حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے خود بھی یہ واقعہ بیان کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں : جناب رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک دستہ کی صورت میں روانہ فرمایا، ہم نے صبح صبح جُہینہ کے گاؤں حُرقات پر حملہ کیا۔ میں نے ایک آدمی کو جالیا۔ اس نے کہا : لا الٰہ الا اللّٰہ، لیکن میں نے اس پر وار کر دیا۔ پھر مجھے اس کے بارے میں پریشانی ہوئی۔ میں نے نبی اکرم

ﷺ کو یہ واقعہ بتایا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : "کیا اس نے لا الٰہ الا اللہ کہہ لیا تھا' پھر بھی تو نے اسے قتل کر دیا؟" میں نے عرض کیا : "یا رسول اللہ! اس نے ہتھیار سے ڈر کر کلمہ پڑھا تھا"۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا : "کیا تو نے اُس کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا کہ اُس (دل) نے کہا ہے یا نہیں؟ آپؐ بار بار مجھے یہی بات فرماتے رہے حتیٰ کہ میں یہ تمنا کرنے لگا کہ کاش میں اسی دن مسلمان ہوا ہوتا۔[11]

وعظ و نصیحت کے ذریعہ غلطی کی ایک صورت اللہ تعالیٰ کی قدرت و عظمت یاد دلانا بھی ہے۔ اس کی ایک مثال پیش خدمت ہے۔

امام مسلمؒ نے حضرت ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے' انہوں نے فرمایا : میں اپنے ایک غلام کو کوڑا لے کر مار رہا تھا' کہ مجھے اپنے پیچھے ایک آواز سنائی دی : "ابو مسعود! تجھے معلوم ہونا چاہئے"۔ غصے کی شدت کی وجہ سے میں توجہ نہ کر سکا کہ یہ کس کی آواز ہے۔ جب وہ قریب آ گئے تو مجھے معلوم ہوا کہ یہ تو رسول اللہ ﷺ ہیں' جو فرما رہے ہیں : "ابو مسعود! تجھے معلوم ہونا چاہئے"۔ میں نے کوڑا ہاتھ سے پھینک دیا۔ ایک روایت میں ہے : "آنحضرت ﷺ کی ہیبت کی وجہ سے کوڑا میرے ہاتھ سے گر پڑا"۔ آپؐ نے فرمایا : "ابو مسعود! تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ تجھے اس غلام پر جس قدر اختیار حاصل ہے' اللہ تعالیٰ کو تجھ پر اس سے زیادہ قدرت حاصل ہے"۔ میں نے عرض کیا : "حضور! آج کے بعد میں کبھی کسی غلام کو نہیں ماروں گا"۔ ایک روایت میں ہے : میں نے کہا : "یا رسول اللہ! یہ اللہ کیلئے آزاد ہے"۔ آنحضرتؐ نے فرمایا : "اگر تو (اس غلطی کی تلافی) نہ کرتا تو آگ تجھے جھلسا دیتی"۔ یا فرمایا : "آگ تجھے چھو لیتی"۔

صحیح مسلم ہی کی ایک روایت میں ہے۔ آپؐ نے فرمایا : "اللہ کی قسم! جتنی تجھے اس پر قدرت حاصل ہے اس سے زیادہ اللہ کو تجھ پر قدرت حاصل ہے"۔ چنانچہ انہوں نے اس غلام کو آزاد کر دیا۔[12]

سنن ترمذی میں حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' انہوں نے فرمایا : میں اپنے ایک غلام کو پیٹ رہا تھا' کہ مجھے اپنے پیچھے کسی کی آواز آئی : "ابو مسعود! جان لو۔ ابو مسعود! جان لو"۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو رسول اللہ ﷺ تھے۔

آپؐ نے فرمایا : "تجھے اس پر جتنی قدرت حاصل ہے' اللہ کو تجھ پر اس سے زیادہ قدرت حاصل ہے"۔ ابو مسعودؓ نے فرمایا : "اس کے بعد میں نے کبھی اپنے کسی غلام کو نہیں مارا"۔ (۱۳)

۶) غلطی کرنے والے پر شفقت کا اظہار:

جو شخص اپنی غلطی پر انتہائی شرمسار ہو' اسے شدید افسوس ہو رہا ہو' اور واضح طور پر نظر آ رہا ہو کہ وہ دل سے تائب ہو چکا ہے' اسے اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ اس پر رحمت و شفقت کا اظہار کیا جائے۔ جیسے اس واقعہ میں ہوا :

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا' اس نے اپنی بیوی سے ظہار کیا تھا' پھر اس سے مباشرت کر بیٹھا تھا۔ اس نے کہا : یا رسول اللہ! میں نے اپنی بیوی سے ظہار کیا تھا' پھر کفارہ ادا کرنے سے پہلے اس سے مباشرت کر لی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا : "اس کی وجہ کیا بنی؟ اللہ تجھ پر رحم کرے"۔ اس نے کہا : چاند کی چاندنی میں اس کی پازیب پر میری نظر پڑ گئی (پھر مجھے اپنے آپ پر قابو نہ رہا)۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا : "اب تو جب تک وہ کام نہ کر لے جس کا اللہ نے تجھے حکم دیا ہے (یعنی کفارہ کی ادائیگی) دوبارہ اس کے قریب نہ جانا"۔ (۱۴)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے' انہوں نے فرمایا : "ہم نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک آدمی آ گیا۔ اس نے کہا : "یا رسول اللہ! میں تباہ ہو گیا"۔ آپؐ نے فرمایا : "کیا ہوا؟" اس نے عرض کیا : میں روزہ کی حالت میں اپنی بیوی کے پاس چلا گیا"۔ آپؐ نے فرمایا : "کیا تیرے پاس کوئی غلام یا لونڈی ہے جسے تو آزاد کر سکے" اس نے کہا : "جی نہیں"۔ آپؐ نے فرمایا : "کیا تو مسلسل دو ماہ روزے رکھ سکتا ہے؟" اس نے کہا : "جی نہیں"۔ فرمایا : "کیا تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتا ہے؟" اس نے کہا "جی نہیں"۔ نبی اکرم ﷺ وہیں تشریف فرما رہے۔ (سائل بھی حاضر رہا)۔ اسی اثناء میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں کھجوروں کا ایک ٹوکرا پیش کیا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا : "سائل کہاں ہے؟" اس نے کہا : "جی' میں ہوں"۔ فرمایا : "یہ لے جاؤ

اور انہیں صدقہ کردو"۔ اس نے کہا: "اے اللہ کے رسول! کیا اپنے سے زیادہ غریب آدمی کو دوں؟ اللہ کی قسم! دونوں پتھریلے علاقوں کے درمیان (یعنی پورے مدینہ میں) ہم سے زیادہ غریب کوئی گھر نہیں"۔ نبی اکرم ﷺ کھل کر مسکرائے حتیٰ کہ آپ ﷺ کے (ڈاڑھوں سے پہلے والے) نوکیلے دانت نظر آنے لگے۔ پھر فرمایا: "اپنے گھر والوں کو کھلادو"۔ (۱۵)

یہ شخص جو ایک غلطی کا ارتکاب کرنے کے بعد مسئلہ پوچھنے آیا تھا، مذاق نہیں کر رہا تھا، نہ اپنے گناہ کو معمولی سمجھ رہا تھا، بلکہ اسے اپنی غلطی کا جس شدت سے احساس تھا وہ اُس کے ان الفاظ سے واضح ہے کہ "میں تباہ ہوگیا"۔ اس لئے وہ شفقت کا مستحق ہوا۔

مسند احمدؒ کی روایت میں زیادہ وضاحت سے بیان ہے کہ جب وہ مسئلہ پوچھنے آیا تو اس کی کیا کیفیت تھی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا: "ایک اَعرابی آیا، وہ چہرہ پیٹ رہا تھا اور بال کھسوٹ رہا تھا اور کہہ رہا تھا: میں تو برباد ہی ہوگیا ہوں۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے اسے فرمایا: "تجھے کس چیز نے برباد کر دیا؟" اس نے کہا: "میں نے روزے کی حالت میں اپنی بیوی سے مباشرت کرلی ہے"۔ آپؐ نے فرمایا: "کیا تو ایک غلام آزاد کر سکتا ہے؟" اس نے کہا: "جی نہیں"۔ آپؐ نے فرمایا: "کیا تو مسلسل دو ماہ کے روزے رکھ سکتا ہے؟" اس نے کہا: "جی نہیں"۔ آپؐ نے فرمایا: "کیا تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتا ہے؟" اس نے کہا: "جی نہیں" اور اپنے فقر کا ذکر کیا۔ اتنے میں جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک ٹوکرا پیش کیا گیا، جس میں پندرہ صاع کھجوریں تھیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "وہ آدمی کہاں ہے؟" اور اس سے فرمایا: "یہ (غریبوں کو) کھلادو"۔ اس نے کہا: "یارسول اللہ! دونوں پتھریلے علاقوں کے درمیان ہم سے زیادہ حاجت مند گھر موجود نہیں"۔ جناب رسول اللہ ﷺ ہنس پڑے حتیٰ کہ آپ ﷺ کے نوکیلے دانت نظر آنے لگے۔ آپؐ نے فرمایا: "اپنے گھر والوں کو کھلادو"۔ (۱۶)

۷) کسی کو غلطی پر قرار دینے میں جلدی نہ کریں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک واقعہ پیش آیا جو خود انہی کے الفاظ میں ذکر کیا جاتا

ہے۔ وہ فرماتے ہیں : جناب رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ایک بار میں نے ہشام بن حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کو سورۃ الفرقان کی تلاوت کرتے ہوئے سنا۔ میں ان کی قراءت توجہ سے سننے لگا۔ میں نے دیکھا کہ وہ کئی الفاظ اس انداز سے پڑھ رہے ہیں جس طرح مجھے رسول اللہ ﷺ نے نہیں پڑھائے تھے۔ میرا جی چاہا کہ انہیں نماز ہی میں پکڑ لوں، لیکن میں نے صبر کیا، حتیٰ کہ انہوں نے سلام پھیر لیا۔ تب میں نے انہیں ان کی چادر سے پکڑ کر کہا : "آپ کو یہ سورت کس نے سکھائی ہے جو میں نے آپ کو پڑھتے سنا ہے؟" انہوں نے کہا : "مجھے رسول اللہ ﷺ نے پڑھائی ہے؟" میں نے کہا : "آپ غلط کہتے ہیں۔ جس طرح آپ نے پڑھی ہے مجھے رسول اللہ ﷺ نے اس سے مختلف انداز سے پڑھائی ہے"۔ میں انہیں پکڑ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں لے گیا اور عرض کیا : "میں نے انہیں سورۃ الفرقان کے کئی الفاظ اس طرح پڑھتے سنا ہے جس طرح آپ نے مجھے نہیں پڑھائے"۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : "انہیں چھوڑ دیجئے"۔ اور فرمایا : "ہشام! پڑھئے!" انہوں نے اسی طرح پڑھی جس طرح میں نے انہیں پڑھتے سنا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : "اسی طرح نازل ہوئی ہے"۔ پھر فرمایا : "عمر! آپ پڑھئے"۔ میں نے اس طرح پڑھی جس طرح آنحضرت ﷺ نے مجھے پڑھائی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : "اسی طرح نازل ہوئی ہے۔ یہ قرآن سات طریقوں پر نازل ہوا ہے، لہٰذا جو طریقہ آسان معلوم ہو اسی طرح پڑھ لیا کرو"۔ (۱۷)

واقعہ میں تربیت سے متعلق نکات :

- آنحضور ﷺ نے ہر ایک سے دوسرے کے سامنے پڑھا کر سنا، اور اس کی قراءت کو درست قرار دیا۔ کسی کو غلط قرار نہ دینے اور دونوں کو صحیح قرار دینے کا یہ طریقہ بہت مؤثر ہے۔
- نبی اکرم ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ ہشام رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیں اور پکڑے نہ رکھیں۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ فریقین اطمینان سے ایک دوسرے کی بات سنیں اور اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے جلد بازی سے کام لیا ہے۔

○ طالب علم کسی مسئلہ میں علماء کے جس قول سے واقف ہے' اگر اس کے سامنے اس کے خلاف دوسرا قول پیش کیا جائے تو اسے چاہئے کہ تحقیق کے بغیر اسے غلط قرار نہ دے۔ ممکن ہے یہ بھی کبار علماء کا ایک قابل قبول قول ہو۔

اسی موضوع سے متعلق یہ نکتہ بھی ہے کہ سزا دینے میں جلدی کرنا درست نہیں' جیسے کہ مندرجہ ذیل واقعہ سے ظاہر ہے :

امام نسائی رحمہ اللہ نے حضرت عباد بن شُرَحْبِیل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' وہ فرماتے ہیں : میں اپنے ایک چچا کے ساتھ مدینہ آیا۔ وہاں ایک کھیت میں چلا گیا اور کچھ خوشے توڑ کر دانے نکال لئے۔ کھیت والے نے آکر مجھے مارا اور میری چادر چھین لی۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کی شکایت کی۔ آنحضرت ﷺ نے اسے بلا بھیجا' وہ حاضر ہوا تو آپؐ نے اسے فرمایا : "تو نے یہ کام کیوں کیا؟" اس نے کہا : "یہ شخص میرے کھیت میں آگھسا' اس کے خوشے توڑے اور دانے نکال لئے"۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : "وہ مسئلہ سے ناواقف تھا' تم نے اسے تعلیم نہیں دی' وہ بھوکا تھا' تم نے اسے کھانا نہیں کھلایا۔ اس کی چادر واپس کرو"۔ پھر آنحضرت ﷺ نے مجھے ایک آدھ وسق غلہ عطا فرمادیا۔[۱۸]

اس واقعہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ غلطی کرنے والے کے حالات معلوم کر لئے جائیں تو اس کے ساتھ صحیح رویہ اختیار کیا جاسکتا ہے۔

یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھیت کے مالک کو سزا نہیں دی' کیونکہ وہ حق پر تھا۔ لیکن اس کے طرز عمل کو غلط قرار دیا اور واضح فرمایا کہ اس قسم کے موقع پر مسئلہ سے ناواقف آدمی کے ساتھ اس قسم کا رویہ اختیار کرنا درست نہ تھا۔ پھر اسے بتایا کہ صحیح طرز عمل کیا ہونا چاہئے اور اسے حکم دیا کہ بھوکے آدمی کے کپڑے واپس کر دے۔

(جاری ہے)

نوٹ : پیش نظر مضمون کے حواشی آئندہ شمارے میں اگلی قسط کے ہمراہ ملاحظہ فرمائیں۔

صَفوی دَور

اور ایران میں شیعیت کا فروغ

بسلسلہ علامہ اقبال اور مسلمانان عجم (۹)

ڈاکٹر ابو معاذ

عصر حاضر کے معروف ایرانی مفکر ڈاکٹر علی شریعتی مرحوم نے اپنی تحریروں میں شیعیت کو دو اقسام میں بیان کیا ہے :

۱) **شیعیت علوی** : یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پیروی میں ہے۔ اس میں حق گوئی و بیباکی، ملت و سلطنت اور ظلم کا مقابلہ مردانہ وار کرنا ہے۔ اس کا بنیادی عنصر اعلائے کلمۃ الحق ہے۔

۲) **شیعیت صفوی** : یہ صفوی دور کی ظالمانہ طور پر رائج کی گئی شیعیت ہے۔ اس کا مقصد آمرانہ شاہی نظام کو تحفظ عطا کرنے کے لئے دربار اور شاہ کی ذات کو مذہبی تقدس کا لبادہ اوڑھانا ہے۔

صفوی دور تک ایران اور فارسی گو علاقوں میں حنفی، سنی عقائد کا غلبہ رہا۔ حکومت وقت اور عوام کی واضح اکثریت بھی اسی مذہب پر کاربند رہی۔ ابو القاسم فردوسی جیسے عظیم قومی شاعر کی بابت کہا جاتا ہے کہ وہ شیعہ تھا۔ علاوہ بریں عظیم فارسی شعراء اور فضلاء مثلاً مولانا رومؒ، امام غزالیؒ، امام رازیؒ، عمر خیامؒ، حضرت سید عبد القادر گیلانیؒ، صحاح ستہ کے جملہ ائمہؒ، ابو علی ابن سینا، حکیم ابو سعید ابو الخیرؒ، شیخ سعدی شیرازیؒ، شیخ فرید الدین عطارؒ، حافظ شیرازیؒ اور مولانا نور الدین عبد الرحمٰن جامیؒ چند ایک ایسے نام ہیں جو علم و عرفان اور شعر و ادب کے میدان میں بے مثال لوگ گزرے ہیں۔ یہ تمام لوگ حنفی

العقیدہ سنی عقائد کے حامل تھے (ماسوائے صحاح ستہ کے چند ائمہ اور امام غزالیؒ کے، جو سنی تو ضرور تھے مگر حنفی مسلک کے مقلد نہیں تھے)۔ اسی طرح برصغیر میں اسلام کی تبلیغ اور اشاعت کے لئے جو بزرگ ایران و خراسان سے تشریف لے گئے وہ بھی حنفی سنی تھے۔ ان میں سے حضرت سید علی ہمدانیؒ (مبلغ کشمیر)، حضرت علی ہجویریؒ (مبلغ پنجاب)، حضرت جلال الدین تبریزیؒ (مبلغ بنگال) اور حضرت معین الدین چشتی اجمیریؒ سبھی لوگ سنی العقیدہ حنفی تھے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے پھر اچانک یہ کیسے ہوا کہ کچھ ہی عرصہ میں ایران کے مرکز میں شیعیت فروغ پا گئی؟ اس کے لئے صفوی خاندان کی سیاسی، سماجی اور فکری تاریخ اور حالات و واقعات کی بابت ایک اجمالی خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔

ہرچند کہ صفویوں کا اپنا یہی دعویٰ تھا کہ وہ لوگ حضرت امام موسیٰ کاظمؒ کی اولاد سے ہیں، لیکن تاریخ کے محققین نے ان کے اِس دعویٰ کی صحت سے انکار کیا ہے۔ اس خاندان کے جد امجد صفی الدین اردبیلی تھے جو ایران کے صوبہ گیلان کے شہر اردبیل میں ۶۵۰ھ (بمطابق ۱۲۵۲ء) میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے مشہور صوفی بزرگ شیخ زاہد گیلانی کے ہاتھ پر بیعت کی اور اپنی ذاتی خوبیوں کے باعث بالآخر اپنے مرشد کے داماد بنے۔ اپنے مرشد کی وفات پر مسند ارشاد پر فائز ہوئے۔ آپ کی طلسماتی شخصیت کے زیر اثر آپ کے مریدوں کا حلقہ آہستہ آہستہ ایشیائے کوچک تک وسیع ہو گیا۔ آپ ۷۳۵ھ (بمطابق ۱۳۳۵ء) میں فوت ہوئے۔ آپ کے مریدوں میں سے عظیم فلسفی مصنف رشید الدین فضل اللہ جیسے دانشور اور ان کا بیٹا خواجہ غیاث الدین محمد شامل تھے۔ رشید الدین فضل اللہ کو منگولوں کے دربار میں وزارت عظمیٰ کا منصب حاصل رہا ہے۔ جناب صفی الدین اردبیلی کی وفات کے بعد ان کا بیٹا صدر الدین اپنے باپ کی گدی پر بیٹھا اور ۷۹۴ء (بمطابق ۱۳۹۱ء) تک بڑے زہد و تقویٰ سے زندگی گزاری۔ مشہور شاعر قاسم الانوار آپ کا مرید تھا۔ آپ کی ہردلعزیز شخصیت کا شہرہ سن کر امیر تیمور بھی آپ کی خدمت میں پہنچا اور آپ ہی کی درخواست پر اس نے دیار بکر کے ترک قیدیوں کو رہا کر دیا جو اپنی زندگی کی امید سے محروم ہو چکے تھے۔ ان لوگوں نے قید سے رہائی پا کر آپ کی بیعت کر لی اور گیلان میں آباد ہو گئے۔ ان لوگوں کی اولاد نے صفوی سلطنت کے قیام میں بے حد تعاون کیا۔ یہ

ترک آبادی صفوی خاندان کی عقیدت میں ہر طرح کی جان نثاری کے لئے ہمیشہ مصروف عمل رہی۔ ان کے برعکس مقامی ایرانی آبادی نے صفوی اثرات کو قبول کرنے میں وہ جوش نہیں دکھایا۔

صدرالدین کے بعد خواجہ علی نے مسند ارشاد سنبھالی۔ پھر ۸۳۰ھ (بمطابق ۱۴۲۶ء) میں آپ کے بیٹے شیخ ابراہیم اس مرتبہ تک پہنچے اور ان کی وفات پر سلطان جنید گدی نشین ہوئے۔ سلطان جنید کا حلقہ اثر جب بہت وسیع ہوا تو آذربائیجان کے حاکم جہاں شاہ قراقو یونلو نے اپنے اقتدار کے لئے خطرہ محسوس کرتے ہوئے انہیں اردبیل سے جلاوطن کر دیا۔ آپ وہاں سے ترکی کے علاقہ دیار بکر چلے گئے جہاں کے حاکم اوزون حسن آق قویونلو نے آپ کا پرجوش خیر مقدم کیا اور عقید تاً اپنی بہن خدیجہ آپ کے عقد میں دے دی۔ آپ شروانشاہ کے خلاف لڑتے ہوئے مارے گئے۔ آپ کے بعد آپ کا بیٹا، اوزون حسن کا مقرب بن گیا اور آپ نے سلطان پر آہستہ آہستہ اتنا اثر و رسوخ قائم کرلیا کہ سلطان نے اپنی بیٹی عالم شاہ بیگم (جو یونانی عورت مارتھا کے بطن سے تھی) آپ کے عقد میں دے دی۔ اس طرح صفوی خاندان کی رگوں میں شاہی خون شامل ہوتا گیا۔ شاہی خاندانوں سے تعلقات کے باعث ان صوفی بزرگوں نے روحانیت کے ساتھ ساتھ سیاست کے انداز بھی اختیار کرلئے اور سلطنت کے حصول کی تمنا ان کے دلوں میں جاگزین ہوگئی۔ شیخ حیدر کے دو بیٹے ابراہیم مرزا اور شاہ اسماعیل تھے۔

شیخ حیدر نے حکم دیا کہ ان کے مرید ایرانی اور ترکی کلاہ کی بجائے بارہ کونوں والی سرخ ٹوپی دوازدہ ائمہ کی عقیدت کی نشانی کے طور پر پہنیں۔ اس وجہ سے یہ لوگ قزلباش (سرخ ٹوپی والے) مشہور ہوئے۔ شیخ حیدر بھی اپنے باپ کی طرح شروانشاہ کے خلاف جنگ کرتے ہوئے ۸۹۳ھ (۱۴۸۷ء) میں مارے گئے۔

شاہ اسماعیل صفوی ۸۹۲ھ (۱۴۸۶ء) میں پیدا ہوا۔ جب وہ جوانی کی عمر کو پہنچا تو سلسلہ صفویہ کے تمام مریدوں نے اجتماعی طور پر اس کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ اس نے اپنے مریدوں کو اپنی مقناطیسی شخصیت کے حصار میں قید کر کے اپنی غیر متزلزل اطاعت اور سرفروشی کی تربیت دی اور انہیں پوری طرح مسلح کرلیا۔ یہ پرجوش لوگ ہر وقت اپنے

مرشد کے حکم پر جان دینے کو تیار رہتے تھے۔ اس نے سات ترک قبائل استاجلو' شاملو' روملو وارساق' ذوالقدر' قاچار اور افشار کو اپنا مرید بنالیا۔ پھر صوفیائے قراباغ نے بھی اس کی اطاعت قبول کرلی۔ اس نے شروانشاہ سے اپنے باپ کے قتل کا انتقام لیا اور اسے شکست فاش دینے اور قتل کرنے کے بعد آذربائیجان کا علاقہ الوند بیگ آق قویونلو سے چھین لیا۔ اپنے سیاسی عزائم کی تکمیل کے لئے اس نے تبریز میں ۹۰۷ھ (۱۵۰۱ء) میں اپنی بادشاہت کا اعلان کیا۔

جلد ہی شاہ اسماعیل صفوی نے دیار بکر فتح کرلیا۔ باکو (آذربائیجان کا مرکزی مقام) فتح کرنے کے بعد اس نے شوشتر' فارس' کاشان اور استرآباد پر اپنا تسلط قائم کرنے کے بعد ۹۱۴ھ (۱۵۰۸ء) میں اس نے بالآخر بغداد کو اپنی مملکت میں شامل کرلیا۔

شاہ اسماعیل صفوی نے حکومت سنبھالتے ہی اثنا عشری شیعہ مذہب کو ایران اور اپنے دیگر مفتوحہ علاقوں کا سرکاری مذہب قرار دے دیا۔ علمائے اہل تشیع نے اسے کئی بار سمجھایا کہ ان حالات میں جبکہ بلادِ ایران کے عوام کی اکثریت سنی العقیدہ ہے یہ اقدام فی الحال خطرناک ثابت ہوسکتے ہیں' مگر شاہ اسماعیل نے یہ کہہ کر انہیں خاموش کرادیا کہ اسے نصرت خداوندی اور ائمہ دوازدہ کی ارواح کی تائید حاصل ہے اس لئے ان عوامل سے خوف زدہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے' اس نے زور دے کر کہا کہ اگر کوئی شخص میرے خلاف آواز بلند کرے گا تو میں اسے شمشیر بے نیام سے کچل کے رکھ دوں گا اور اسے اور اس کے خاندان کو اور زندہ نہیں چھوڑوں گا۔

شاہ اسماعیل صفوی کے زمانہ میں عظیم صحابہ خصوصاً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے خلاف تبریٰ کا سلسلہ شروع کیا گیا اور اس سلسلہ میں دو قسم کی تاریخی روایات ملتی ہیں۔

○ ایران کے عام لوگوں کو قطار کی صورت میں کھڑا کرکے انہیں خنجر تھمادیئے جاتے تھے اور انہیں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ (شیخین) پر با آواز بلند (نعوذ باللہ) سب وشتم کرنے کو کہا جاتا تھا جو انکار کرتا تھا اسے حکم دیا جاتا تھا کہ اپنا ہی خنجر اپنے سینے میں اتارلے۔ ہزاروں لوگوں کی غیرت ایمانی یہ گوارا نہ کرسکی کہ وہ ناز یبا

الفاظ اپنی زبان سے نکال سکیں۔ نتیجتاً انہوں نے اپنے ہاتھوں مرنے کو ترجیح دی۔

○ سرکاری سرپرستی میں گروہ در گروہ لوگ گلیوں اور بازاروں میں نکلتے اور شیعین کے خلاف دریدہ دہنی کرتے اور لوگوں کو اپنے ساتھ شریک ہونے کا حکم دیتے۔ بصورت انکار انہیں قتل کر دیتے۔

آہستہ آہستہ ان جانکاہ مظالم کا یہ نتیجہ نکلا کہ ایران کے مرکزی علاقوں سے اہل سنت و الجماعت کے پیروکاروں کا قریباً قریباً صفایا ہوتا چلا گیا۔ سنی لوگ فارسی بولنے والے خطوں کے دور دراز کے علاقوں اور غیر فارسی گو علاقوں (کردستان، خوزستان، بلوچستان، سیستان، ترکمانستان اور سواحل) میں چلے گئے اور بے شمار لوگ خاموشی سے روپوش ہو گئے۔

شاہ اسماعیل نے یہ سخت متعصبانہ رویہ اپنے بعد میں فتح ہونے والے علاقوں کے لوگوں پر بھی قائم رکھا۔ وسطی ایشیاء کے فارسی گو اور ازبک علاقوں پر یہ خوف طاری ہو گیا کہ اگر شاہ اسماعیل کا راستہ نہ روکا گیا تو وہ بڑھ کر ایک خوفناک طوفان کی صورت اختیار کر لے گا۔ شاہی سرپرستی میں زبردستی سے عوام میں شیعیت کی اشاعت اور فروغ کی جو مساعی کی جا رہی تھیں اس کی خبر بھی ان علاقوں تک پہنچ گئی اور لوگوں نے متحد ہو کر صفویوں کے خلاف مزاحمت کی ٹھان لی۔ ان ایام میں ماوراء النہر کے علاقوں میں مغل شہزادہ ظہیر الدین بابر اور شیبانی خان ازبک آپس میں برسرپیکار تھے۔ شیبانی خان ازبک نے سنیوں کے جذبات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے امام العصر کا لقب اختیار کر کے شیعہ سلطنت کی توسیع کے خلاف رزم آراء ہونے کا عہد کیا۔ ان دنوں وہ بابر کو کئی مقامات پر شکست دے چکا تھا اور اس کی بہن کو بھی اٹھا کر لے گیا تھا۔ صفویوں کا خوف وسطی ایشیاء کے عوام کو شیبانی خان کے جھنڈے تلے لے آیا۔

شیبانی خان دراصل چنگیز خان کی اولاد سے تھا اور لوٹ مار اور قتل عام اس کی سرشت میں تھا۔ اس نے سمرقند، بخارا، تاشقند اور فرغانہ کے علاقوں پر تسلط حاصل کرنے کے بعد ۹۱۱ھ میں خراسان پر چڑھائی کر دی اور پھر ۹۱۵ھ میں شاہ اسماعیل کی قلمرو میں کرمان کے علاقہ پر یلغار کر دی۔ شاہ اسماعیل نے جب اس کے غاصبانہ قبضہ پر احتجاج کیا تو

جواباً اس نے شاہ اسماعیل کی تحقیر کیلئے کشکول اور ڈنڈا بھجوایا تاکہ اس کو فقیری کا طعنہ دے سکے۔ جواباً شاہ اسماعیل نے بھی اسے تکلا اور سوت کی گچھی بھجوائی جس کا مطلب یہ تھا کہ تم عورتوں کی طرح پنج حربوں پر اتر آئے ہو۔ بالآخر ۹۱۶ھ (۱۵۱۰ء) میں شاہ اسماعیل نے خراسان پر جوابی حملہ کر دیا۔ مرو کے مقام پر اس کا مقابلہ ازبک لشکر سے ہوا۔ وہاں پر سترہ ہزار ایرانیوں نے اٹھائیس ہزار ازبکوں کو سخت جنگ کے بعد شکست فاش دی۔ بالآخر شیبانی خان گرفتار ہوا اور قتل کروا دیا گیا۔ اس کی کھوپڑی پر سونے کی پتری چڑھا کر شاہ اسماعیل نے پیالے میں تبدیل کر دیا۔ بعد میں بلخ سے ہرات تک کے تمام علاقوں پر شاہ اسماعیل نے تسلط حاصل کیا۔ بابر کی بہن کو عزت و احترام کے ساتھ شاہ اسماعیل نے ظہیر الدین بابر کے پاس بھجوا دیا۔ شیبانی خان کے خاتمے کے بعد بابر کو پاؤں پھیلانے کی فرصت مل گئی۔

اب ایران کے صفویوں اور ظہیرالدین بابر کے درمیان ایک معاہدہ طے پایا جس کی رو سے بابر نے صفویوں کی شاہی بالادستی اور شیعہ مذہب کا اقتدار تسلیم کر لیا۔ اس معاہدہ کی رو سے یہ طے پایا کہ وہ علاقے جہاں کبھی بابر کے والد عمر شیخ مرزا کی حکومت قائم تھی وہاں پر بابر کے اپنے نام کا سکہ چلے گا مگر ایرانیوں کی مدد سے فتح ہونے والے دیگر علاقوں پر شیعوں کے ائمہ دوازدہ کے ناموں سے سکے ڈھلنا قرار پائے۔ بابر نے اس معاہدہ کی رو سے ماوراء النہر پر حملہ کر کے ازبکوں سے بیشتر علاقے چھین لئے اور وہ اپنے آباء و اجداد کے دارالحکومت سمرقند میں فاتحانہ طور پر داخل ہو گیا جہاں سے اسے شیبانی خان نے ایک ذلت آمیز شکست کے نتیجہ میں نکال باہر کیا تھا۔ ان علاقوں میں جب ائمہ دوازدہ کے ناموں سے سکے جاری ہوئے تو وہاں کے متدین سنی عوام نے بابر کے خلاف سخت نفرت کا اظہار کیا اور اجتماعی طور پر ایک مایوسی اور بددلی کی کیفیت پھیل گئی۔ اس کا پورا فائدہ ازبکوں نے اٹھایا۔ چنانچہ شیبانی خان کے جانشین عبداللہ نے ۹۱۸ھ (۱۵۱۲ء) میں سنی عوام کی مدد سے بابر کو خوفناک شکست سے دوچار کیا اور سمرقند سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نکال باہر کیا۔ بابر آخری بار پھر ایرانیوں کے تعاون سے سمرقند کو واپس لینے کے لئے آگے بڑھا اور بخارا کے شمال میں گجدوان کے مقام پر ازبکوں سے برسرپیکار ہوا، مگر شکست فاش سے

دوچار ہونے کے بعد ہمیشہ کے لئے وسط ایشیاء سے دست کش ہو گیا۔ اب اس نے بدخشاں اور کابل و غزنی پر قبضہ کر کے ہندوستان کی وسیع سرزمین پر حکومت کا خواب دیکھنا شروع کیا۔ دہلی پر قبضہ جمانے کے بعد بابر نے مغلیہ سلطنت کی بنیاد رکھی دی۔ تاہم مغلوں اور صفویوں کا دفاعی اتحاد بعد میں بھی قائم رہا، جس کا ذکر ہم ہمایوں کی جلاوطنی کے ضمن میں کریں گے۔

اب ہم ترکی چلتے ہیں جہاں کا عثمانی حکمران سلطان سلیم بھی صفویوں کے سخت متعصبانہ رویہ اور بڑھتی ہوئی فوجی اور سیاسی طاقت سے خوفزدہ تھا۔ ۹۲۰ھ (۱۵۱۴ء) میں چالدران کے مقام پر ترکوں کی یلغار کے بعد صفویوں کو اپنے دفاع کے لئے سلطان سلیم سے زبردست مقابلہ کرنا پڑا۔ ایرانی مورخین کے بقول سلطان سلیم نے صفویوں کو اشتعال دلانے کے لئے اپنے زیر انتظام علاقوں میں چالیس ہزار شیعوں کو قتل کروا دیا تھا اور سلطان سلیم ایران کی جانب چڑھ دوڑا تھا۔ عثمانیوں کی فوج کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تھی اور ان کے پاس جدید قسم کی توپیں اور بندوقیں تھیں جن کی تکنیک انہوں نے یورپ سے حاصل کی تھی۔ صفویوں کی فوج ساٹھ ہزار نفوس پر مشتمل تھی۔ شاہ اسماعیل کی افواج کو شکست کا سامنا کرنا پڑا اور عثمانی تبریز میں داخل ہو گئے۔ شاہ اسماعیل نے ہمدان میں پناہ لے لی اور فوجوں کو یکجا کر کے دو ہفتے کے عرصہ میں تیاری مکمل کر کے جوابی حملہ کر کے ترکوں سے تبریز واپس لے لیا، مگر دیار بکر اور کردستان کے علاقے سلطنت عثمانی کا حصہ بن گئے۔ شاہ اسماعیل نے یورپ کے دور دراز کے ممالک (جو سلطنت عثمانی کے دشمن تھے) سے اپنے روابط بڑھائے، توپ و تفنگ کی جدید ٹیکنالوجی حاصل کی اور توپ ڈھالنے کا فن خود بھی سیکھا اور اپنے حلیف بابر کو بھی منتقل کیا۔ ۹۳۰ھ (۱۵۲۴ء) میں شاہ اسماعیل پچیس برس حکومت کرنے کے بعد اڑتیس (۳۸) سال کی عمر میں وفات پا گیا۔ لودھی افواج کو پانی پت کے میدان میں بابر کی توپوں نے ہی شکست سے دوچار کیا تھا۔

شاہ اسماعیل کی وفات کے موقع پر اس کا بیٹا طہماسپ گیارہ برس کی عمر میں بادشاہ بنا اور ۹۸۴ھ (۱۵۷۶ء) تک تخت شاہی پر متمکن رہا۔ اس کے عہد میں شمال مشرق سے

شیبانی خان کا بیٹا عبداللہ ازبک، خراسان کے علاقوں طوس، مشہد اور ہرات میں تاخت و تاراج کرتا رہا۔ بغداد میں بغاوت ہوئی اور ظہور قبیلے کے سردار نے وہاں پر اپنی ایک خود مختار حکومت قائم کرلی۔ اس دوران عثمانی ترک (سلطان سلیمان کے زمانہ میں) بھی صفویوں کے خلاف مسلسل برسرپیکار رہے اور بالآخر آذربائیجان اور بغداد پر قابض ہو گئے۔ شاہ طہماسپ ان دنوں خراسان میں تھا۔ واپس لوٹنے کے بعد اس نے عثمانی ترکوں سے یہ علاقے دوبارہ حاصل کرلئے۔ شاہ طہماسپ کے اپنے بھائی بھی اس سے الجھتے رہے اور مسلسل ملک میں خانہ جنگی کی کیفیت جاری رہی۔ اس کا اپنا بھائی القاص بھاگ کر عثمانی دربار میں پناہ گزین ہو گیا اور عثمانی سلطان کے بیٹے بایزید نے بھی اپنے باپ کے خلاف ناکام بغاوت کے بعد صفوی دارالحکومت اصفہان میں پناہ لی۔ مجبوراً ترکوں (عثمانیوں) اور صفویوں میں صلح ہوگئی۔ ۹۶۲ھ (۱۵۵۴ء) میں صلح کا معاہدہ طے پایا جس کے تحت ایرانیوں کو طویل عرصہ کے بعد حج پر جانے کی اجازت ملی۔ یہاں یہ امر ملحوظ خاطر رہے کہ حجاز مقدس پر قابض عثمانیوں نے ایرانیوں پر شیعہ ہونے کے باعث حج کے سفر پر پابندی عائد کر رکھی تھی۔ علاوہ بریں ایران اور عثمانی سلطنت کے سرحدی مناقشات بھی ختم ہو گئے۔

اسی زمانے میں ہندوستان کے مغل تاجدار نصیرالدین ہمایوں کو شیر شاہ سوری کے ہاتھوں شکست سے دوچار ہونا پڑا اور وہ اپنے اہل خاندان کے ہمراہ بھاگ کر ایران آگیا۔ ہمایوں کے اصفہان میں قیام کے دوران کئی بار صفویوں کے مزاج میں تبدیلی آئی۔ کبھی کوئی شوشہ چھوڑتا کہ بابر نے شاہ اسماعیل سے کسی موقعہ پر بدعہدی کی تھی۔ کبھی ہمایوں کے بھائی کامران مرزا کا کابل سے خط آجاتا کہ نااہل ہمایوں کی بجائے اس کی مدد کی جائے۔ صفوی خواتین کے مغل خواتین سے ان ایام میں خوشگوار مراسم اُستوار ہو گئے تھے۔ صفوی خواتین نے ہمایوں کا ساتھ دیا اور ہمایوں کے ساتھ ہندوستان کی تسخیر کے لئے ۹۵۱ھ (۱۵۴۴ء) میں ایک ایرانی لشکر بھیجنے کا فیصلہ ہوا۔ مجبوراً ہمایوں نے شاہ ایران کی تمام شرائط تسلیم کرلیں جن میں شیعہ عقائد کی ترویج و اشاعت کے علاوہ شیعہ مذہب قبول کرنا بھی شامل تھا۔ یہ وہی صورت حال تھی جو بابر کو ماوراء النہر کی تسخیر کے موقع پر درپیش تھی۔ ایرانی فوج کے ہمراہ شیعہ مبلغین بھی ہندوستان کی جانب روانہ ہوئے۔

ایرانی فوج کی مدد سے ہمایوں نے کھوئی ہوئی سلطنت حاصل کرلی اور ایرانی لشکر ہندوستان کے مختلف شہروں مثلاً لکھنؤ' دہلی' لاہور وغیرہ میں منتشر ہو کر مقیم ہو گیا اور یہاں پر اہل تشیع کے کئی اہم مراکز قائم ہو گئے۔ ان لوگوں کا تعلق ایران سے بدستور قائم رہا اور مذہبی مبلغین ان کی مذہبی ضروریات پورا کرنے کے لئے اسی طرح ایران سے آتے رہے جیسے آج کل ہمارے ہاں سے علماء برطانیہ وغیرہ میں مقیم پاکستانی طبقات کی مذہبی سرگرمیوں میں حصہ لینے کے لئے جاتے رہتے ہیں۔

ان دنوں سواحل ایران پر موجود پرتگیزی تجارتی مراکز کے ذریعہ پرتگال سے ایران کے تعلقات قائم ہوئے اور سلطنت برطانیہ کا سفیر ملکہ الزبتھ اول کی طرف تحائف اور دوستی کا پیغام لے کر آیا۔

شاہ طہماسپ کے بعد اس کے بیٹوں میں ایک بار پھر آپس میں ٹھن گئی اور جنگ برادر کشی کے بعد شاہ اسماعیل (۹۸۴ھ - ۹۸۵ھ بمطابق ۱۵۷۶ء - ۱۵۷۷ء) برسراقتدار آیا۔ اس نے اپنے اہل خاندان کا خوب صفایا کروایا۔ ایرانی مورخین نے اسے عیاش' بدکار اور سنی العقیدہ قرار دیا ہے۔ صفویوں میں سے سنی شہزادے کا وجود حیرت انگیز امر دکھائی دیتا ہے مگریوں محسوس ہوتا ہے کہ سنی سے مراد یہاں بے دین لیا گیا ہے کیونکہ اُس زمانے میں یہ لفظ ایران میں عام طور پر نفرت کی علامت بن گیا تھا۔ اس کی وفات یا قتل کے بعد سلطان محمد خدابندہ (۹۸۵ھ - ۹۹۶ھ بمطابق ۱۵۷۷ء - ۱۵۸۷ء) برسراقتدار آیا۔ یہ بادشاہ نابینا تھا۔ اس کے زمانہ میں عثمانی ترک ایک بار پھر آذربائیجان (بشمول تبریز) پر قابض ہو گئے۔ اسی طرح ماوراءالنہر کے ازبکوں کو بھی ایران میں تاخت و تاراج کا موقع فراہم ہو گیا۔ یہ زمانہ ایران کی پریشان حالی کا زمانہ تھا۔ عمائدین' علماء اور شعراء نے ان ایام میں ہندوستان کی راہ لی اور وہاں کے مغل دربار میں اعلیٰ عہدوں پر فائز ہو گئے۔

اب شاہ محمد خدابندہ کے دوسرے بیٹے عباس صفوی (۹۹۶ھ - ۱۰۳۸ھ بمطابق ۱۵۸۷ء - ۱۶۲۹ء) کی باری تھی۔ اس بادشاہ نے ۵۳ برس ایران پر مسلسل حکومت کی اور عباس اعظم کہلوایا۔ اس کا ابتدائی عہد بدامنی کا زمانہ تھا۔ عثمانیوں کی یلغار اور پے در پے حملوں سے تنگ آکر اس نے تبریز' شروان' گرجستان (جارجیا) اور لرستان کے

مقبوضات عثمانیوں کے سپرد کر دیئے۔ خود وہ عبید اللہ کے بیٹے عبدالمومن خان ازبک سے مقابلہ کرنے خراسان کی جانب جا رہا تھا کہ تہران میں بیمار ہو کر بستر پر لگ گیا۔ اس دوران متعصب سنی ازبک حملہ آوروں نے مشہد پر قبضہ کر لیا۔ ازبکوں نے اہل شہر کو تہہ تیغ کیا اور امام علی رضاؑ کے مقبرے کے خزانے کو لوٹا اور اسے تاخت و تاراج کیا، وہاں کی نفیس اشیاء اٹھالیں اور کتاب خانہ کو نذر آتش کر دیا۔ مشہد کی تباہی کے بعد ازبکوں نے نیشاپور، دامغان، اسفرائن، طوس اور طبس کو بری طرح لوٹ کر تباہ و برباد کیا۔ اسی دوران عبدالمومن ازبک کا والد عبید اللہ ازبک وفات پا گیا اور عبدالمومن بھی اپنے پیروکاروں ہی کے ہاتھوں (جو اس کے باپ کو امام العصر مانتے تھے) مارا گیا۔ اتنے میں شاہ عباس بھی صحت یاب ہو گیا اور ۱۰۰۶ھ (۱۵۹۷ء) میں اس نے ہرات میں ازبکوں کو جالیا اور انہیں ایک عبرت ناک شکست سے اس طرح دوچار کیا کہ وہ ایک طویل عرصہ تک بلادِ خراسان و ایران کا رخ نہ کر سکے۔ پھر شاہ عباس نے یزد، کرمان، گیلان اور لرستان پر دوبارہ اپنی حکومت مستحکم کی اور باغیوں کا قلع قمع کیا۔

بعد ازاں اس نے پرتگالیوں کو کچھ ساحلی علاقے دینے کے بعد ان کی مدد سے بحرین اور بلوچستان کو مطیع کیا۔ ۱۰۱۷ھ (۱۶۰۸ء) میں عثمانیوں کو شکست دے کر اپنے چھینے ہوئے علاقے ترکوں سے واپس لے لئے۔ اس کے زمانے میں ایران کے ولندیزیوں (ڈچ)، فرانسیسیوں اور سپین کے یورپی ممالک سے تجارتی روابط اُستوار ہوئے۔ قندھار کا شہر مغلوں اور شاہ عباس کے درمیان مسلسل مسئلہ نزاع بنا رہا اسی مسئلہ پر ہندوستان کے مغل حکمران نورالدین محمد جہانگیر کی شاہ عباس سے قندھار کے مقام پر تاریخی ملاقات بھی ہوئی۔ اس کے زمانہ میں ملک کا دارالحکومت قزوین سے اصفہان منتقل ہوا۔ اور اس نے وہاں پر اعلیٰ ترین عمارات مثلاً مسجد شاہ، چہل ستون، علی قاپو اور میدان سپاہ کی تعمیر کروائی۔ یہ عمارات آج بھی وہاں پر سیاحوں کی دلچسپی کا مرکز ہیں۔

شاہ اسماعیل کے بعد شیعیت کی ترویج میں اس بادشاہ کا بہت ہاتھ ہے۔ اس نے مختلف قبائل سے رابطہ اُستوار کر کے مشہد کو مذہبی مرکزیت دلوانے کی مہم چلائی اور وہاں پر حضرت امام علی رضاؑ کے مدفن کی موجودگی کے باعث اسے مقدس مقام کا درجہ دلوانے

میں کامیاب ہو گیا۔ وہ گاہے بگاہے اصفہان سے آٹھ سو میل کا طویل سفر طے کر کے مشہد میں حاضری دیتا اور سال میں دو ہفتے روضہ امام رضاؑ پر اپنے ہاتھوں سے جھاڑو دیتا تھا۔ کئی مرتبہ وہ پاپیادہ بھی زیارت کے لئے مشہد آیا تھا۔ کئی بار اس نے روضہ کی ہزاروں شمعیں اپنے ہاتھوں سے قطع کیں۔ اس نے اپنا گراں بہا خزانہ اور اس کی کمان (جس پر اس کا نام کندہ ہے) روضہ میں رکھوا دی۔ علاوہ بریں وہ زیارت کے لئے نجف بھی جاتا اور حضرت علیؑ کے مزار کو اپنے ہاتھوں سے صاف کرتا تھا۔ وہ زندگی بھر ایران کے لوگوں میں شیعہ عقائد کی ترویج اور عقیدت میں اضافہ کے لئے کوشاں رہا۔ اس نے مذہبی علماء کے باہمی اختلافات کو بطور احسن ختم کروایا۔ مذہبی علماء اور مجتہدین کی درجہ بندی کروائی اور سرکاری طور پر ان کے مربوط کلیسائی نظام کو تسلیم کیا۔ مختلف مزاروں کی دیکھ بھال کے لئے اوقاف قائم کئے۔ اس کے زمانہ تک سنی رعایا بری طرح سہم چکی تھی اور ایران میں شیعیت پورے زوروں پر تھی۔ علماء کی کمی کو پورا کرنے کے لئے شیعہ علماء کو خصوصی طور پر عرب ممالک سے بلوایا گیا تھا اور انہیں زبردست مراعات دی گئیں تھیں۔ یہ علماء عوام میں شاہ پرستی کی تلقین کرتے تھے۔ کلیم صدیقی نے اپنی کتاب "انقلاب ایران" میں الگار کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ شیعہ علماء شاہ (اور دیگر صفوی علماء) کو تعظیمی سجدہ بھی کرتے تھے۔ چونکہ اس سے پہلے ایران میں شیعہ علماء کے مدارس اور مکاتب موجود نہیں تھے اس لئے یہ انتظام ضروری سمجھا گیا تھا۔ یہی غیر ملکی علماء صفوی دربار کے تقدس کو برقرار رکھنے میں ہر دم کوشاں رہے۔

شاہ عباس کے بعد شاہ صفی (۱۰۳۸ھ - ۱۰۵۲ھ بمطابق ۱۶۲۹ء - ۱۶۴۲ء) کا دور ہے۔ اس ناتجربہ کار بادشاہ نے اپنے ہی محسنوں کو قتل کروایا، ازبکوں کے ہاتھوں ہزیمت اٹھائی اور عثمانی سلطان مراد چہارم کے لشکر سے شکست کھا کر کردستان اور ہمدان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ البتہ بغداد کو ترکوں سے بچانے میں کامیاب ہو گیا۔

اس کا بیٹا شاہ عباس دوم (۱۰۵۲ھ - ۱۰۷۷ھ بمطابق ۱۶۴۲ء - ۱۶۶۷ء) دس برس ہی کی عمر میں حکومت پر فائز ہوا۔ اس کی کم سنی میں امرائے سلطنت نے مذہبی پابندیاں مزید سخت کر دی تھیں اور میخانے بند کروا دیئے تھے۔ بادشاہ چونکہ خود بہت زیادہ شراب نوشی

کرتا تھا اس لئے اس نے ہوش سنبھالتے ہی یہ پابندیاں نرم کر دیں۔ اس نے تمام مذاہب کے پیروکاروں سے یکساں نرمی کا سلوک کیا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ ایمان ایک امر باطن ہے اور باطن کا حال صرف خدا جانتا ہے۔ میں تو صرف عالم ظاہر کا بادشاہ ہوں۔ اس نے مغل بادشاہ شاہجہان کے باغی حاکم بلخ کو مدد دی اور پہلی مرتبہ روسیوں سے جنگ لڑی۔

پھر اس کا بیٹا شاہ سلیمان ۱۰۷۷ھ (۱۶۶۷ء) میں برسر اقتدار آیا اور ۱۱۰۵ھ (۱۶۹۴ء) تک حکومت کی۔ یہ ضعیف العقل، ظالم اور سنگ دل انسان تھا۔ اپنے مصاحبوں تک کے کان، ناک کٹوا دینا یا آنکھ نکلوا دینا اس کا عام معمول تھا۔ یہ خواجہ سراؤں کے اثر میں آگیا تھا اور عیش و عشرت میں مستغرق رہتا تھا۔ جب ہالینڈ والوں (ولندیزیوں) نے خلیج فارس میں کشم کی بندرگاہ پر قبضہ کیا تو اسے کچھ اثر نہ ہوا۔ ازبک خراسان کو لوٹتے رہے تو اس کی بلا سے۔ تاہم اس نے پوری طرح سے شیعہ عقائد کی شدت سے پاسداری کی، امام رضاؑ کے مقبرے کے گنبد کو زلزے سے نقصان پہنچا تو اس کی شاندار مرمت کروائی اور ۱۰۸۶ھ (۱۶۷۶ء) میں وہاں پر ایک کتبہ نصب کیا۔ مشہد سے باہر مصلی (مقام نماز) اس کی یادگار ہے جس کی محراب پر نیلی سطح پر سفید رنگ میں آیات قرآن درج ہیں۔ اس کی وفات کے بعد ایران میں صفوی سلطنت زوال پذیر ہو گئی۔ خانہ جنگیوں، ترکوں، ازبکوں اور یورپی طاقتوں کے حملوں کی تفصیل یہاں مطلوب نہیں ہے ایک وقت آیا کہ افغانوں نے محمود کی قیادت میں اصفہان، شیراز اور یزد میں لوٹ مار مچادی۔ خراسان خود مختار ہو گیا اور عثمانی ترک ایران کے مغربی اور شمال مغربی علاقوں پر قابض ہو گئے۔

ان دنوں خراسان کے ایک شہر ابیورد میں ایک معمولی خاندان کا بچہ نادر شاہ (جس کا تعلق قرقلو قبیلہ سے تھا) افشاریوں کی مدد سے طاقت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ بچپن میں ریوڑ چراتا اور گدھے اور اونٹ پر ایندھن لاد کر بھی بازار میں بیچا کرتا تھا۔ ایک بار ازبک چھاپہ مار اس کو اور اس کی بیوہ ماں کو اٹھا کر لے گئے تھے اور انہیں خوارزم میں بیچ دیا تھا۔ چار سال انہوں نے غلامی کی زندگی بسر کی اور ایک دن نادر بھاگ کر خراسان آن پہنچا۔ یہاں ابیورد کے حاکم بابا علی بیگ احمد لو افشار کے دربار میں ملازمت

اختیار کرلی۔ بابا علی نے اس کی خوبیوں سے متاثر ہو کر اسے اپنا داماد بنالیا اور اس کی وفات پر وہ ابیورد کا حکمران بن گیا۔ پھر محمود سیستانی نے اسے جب اختیار و اقتدار سے محروم کیا تو اس نے رہزنی شروع کر دی اور کاروان لوٹتے لوٹتے تین ہزار کا لشکر بنالیا۔ پھر اس نے جبراً اہل خراسان سے محصول وصول کرنا شروع کیا اور قلعہ کلات پر بزور قبضہ کرلیا جو اس کے نام کی مناسبت سے کلات نادری کہلایا۔ پھر نیشاپور پر قبضہ کرنے کے بعد صفوی بادشاہ کے نام پر خراسان پر حکومت شروع کر دی۔ افغانوں کو پے در پے شکست دینے کے بعد وہ ایک بار پھر ۱۱۴۱ھ (۱۷۲۹ء) میں صفوی اقتدار بحال کرنے میں کامیاب ہو گیا اور اصفہان میں داخل ہو کر طہماسپ صفوی کو یہ شہر سونپ دیا۔ شاہ طہماسپ صفوی شہر کی تاریخی عمارات کی شکستہ حالت دیکھ کر بہت پریشان ہوا۔ افغانوں کو ملک بدر کر کے عثمانی ترکوں کو آذربائیجان اور ہمدان سے نکال باہر کیا۔ بالآخر اس نے شاہ طہماسپ کو اس کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اپنا اسیر کرلیا اور خراسان جلاوطن کر دیا۔ ۱۱۴۵ھ (۱۷۳۲ء) میں اس نے شاہ طہماسپ کے بیٹے عباس سوم کو بادشاہت عطا کر کے امور انتظامی (بطور ریجنٹ) اپنے ہاتھ میں لے لئے۔ پھر ترکوں سے معرکہ آراء ہونے کے بعد بحیرہ خزر (Caspian Sea) کے علاقوں سے روسیوں کو باہر نکالا اور دربند اور باکو پر اپنا قبضہ مستحکم کرلیا۔ ۱۱۴۸ھ (۱۷۳۵ء) تک وہ ایران کے تمام علاقوں سے عثمانیوں، روسیوں اور افغانیوں کو نکال چکا تھا، اب اس نے باقاعدہ طور پر اپنی بادشاہت کا اعلان کیا۔ یہ اعلان اس نے ایرانی عمائدین، قاضیوں اور بزرگوں کی موجودگی میں ان کے مطالبہ پر کیا اور صفوی سلطنت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دی گئی۔ تاج پوشی کے موقع پر اس نے حاضرین سے مطالبات منوائے وہ درج ذیل ہیں :

۱۔ ایران کا ایک سرکاری مذہب اہل سنت والجماعت بھی ہو گا اور حنفی فقہ سرکاری طور پر تسلیم کی جائے گی۔ اہل ایران اہل سنت والجماعت کے بارے میں اپنی رائے تبدیل کر دیں گے اور سنیوں کی چاروں قسم کی فقہ (حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی) کے ساتھ ساتھ پانچویں فقہ بھی بطور فقہ جعفری تسلیم کرلی جائے گی۔

۲۔ خانہ کعبہ میں مختلف سنی فقہ کے پیروکار چار مختلف ارکان پر نماز ادا کرتے ہیں۔

ایرانی کسی بھی ایک رکن میں ان کے ساتھ شامل ہو کر نماز پڑھیں گے۔ شیعہ حضرات فقہ جعفری کے مطابق باقی مسلمانوں سے مل کر نماز ادا کریں گے۔

۳۔ ایرانیوں کی طرف سے ہر برس ایک امیرالحاج متعین ہو گا جو دولت عثمانی کے کارندوں سے اسی طرح معاملات طے کرے گا جیسے شام اور مصر کے امرائے حجاج معاملات طے کرتے ہیں۔

۴۔ غلاموں کی خرید و فروخت پر پابندی عائد کر دی جائے گی اور جنگی قیدی آزاد کر دیئے جائیں گے۔

۵۔ سلطنت عثمانی اور ایران کے وکلاء (سفراء) ایک دوسرے کے دارالحکومت میں قیام پذیر رہیں گے اور معاملات باہمی مشاورت سے طے کریں گے۔

ان مطالبات کے ماننے پر نادر شاہ ایران کا مطلق العنان بادشاہ بن گیا۔ یہ مشترکہ اعلامیہ دراصل اس امر کا نتیجہ تھا کہ ایرانی عوام اور عمائدین مذہبی عناد اور تعصب سے تنگ آ چکے تھے اور وہ خود بھی باقی مسلمان امت کے ساتھ مل جل کر رہنا چاہتے تھے۔ ہر چند کہ اس مذہبی تبدیلی کو بہت سے لوگوں نے دلی طور پر نہ مانا مگر یہ تبدیلی سرکاری سطح پر ضرور نظر آئی۔ نادر شاہ نے اہل تشیع اور اہل تسنن کے بین بین حضرت امام جعفر صادق کے نام پر مذہب جعفریہ کی ترویج کرنا چاہی اور ایران کو امت کے دھارے میں شامل کرنا چاہا مگر بعد کے حالات سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس میں وہ خاطر خواہ حد تک کامیاب نہیں ہو سکا۔

صفوی دور میں مذہبی سختی اور عدم رواداری کے باعث لوگ بات کہتے ہوئے ڈرتے تھے اور فارسی شعر و ادب اسی وجہ سے انحطاط پذیر ہو گیا۔ مشہور شعراء سلطنت ایران کو چھوڑ کر ہندوستان چلے گئے جہاں کے مغل تاجدار فارسی شعر و ادب کے دلدادہ تھے اور شعراء و فضلاء کے مربی و محسن تھے۔ اس آمر کی طرف ایران کے بیسویں صدی کے پہلے حصے کے مشہور شاعر ملک الشعراء بہار نے بڑے نازک انداز میں اشارہ کیا ہے۔ آپ کی مشہور نظم "خطاب بہ ہند" کے چند اشعار درج ذیل ہیں ؎

چون کسی را صنعتی غالب بود می شتابد ہر کجا طالب بود

(اگر کسی کو کسی ہنر یا صنعت پر قدرت حاصل ہو تو وہ وہیں کا رخ کرے گا جہاں اس کے چاہنے والے موجود ہوں گے۔)

از ہمایوں گیر تا شاہِ جہاں شاعران را بود ہند آرامِ جان

(ہمایوں سے لے کر شاہ جہاں تک ہندوستان ہی شعراء کے لئے سکون اور روحانی اطمینان کا مقام تھا۔)

ہند بازارِ خریدِ ذوق بود ہند یکسر عشق و شور و شوق بود

(جس منڈی میں شعری ذوق کا سودا ہو سکتا تھا وہ ہند ہی تھا اور یہی ملک عشق، شور اور شوق کی آماجگاہ تھا۔)

صنعت و ذوقِ ہنر ترکیب یافت کاروانہا جانبِ دہلی شتافت

(صنعت اور ذوق ہنر آپس میں مل گئے اور قافلے کے قافلے دہلی کی جانب چل دیئے۔)

بس رواں شد کارواں در کارواں تنگنای دل پُراز کالای جان

(قافلوں کے پیچھے قافلے لگاتار اسی سرزمین کا رخ کرتے رہے۔ ان کا ساز و سامان ان کے دلوں کے بقچوں میں بند تھا اور یہ سامان سفر دراصل ان کی جان یا روح کی متاع تھی۔)

رشکِ غزنیں گشت بزم اکبری نغمہ خوان ہر سو ہزاراں عنصری

(اکبر کی محفل پر غزنی کے ماضی کو رشک آنے لگا اور عنصری جیسے ہزاروں شعراء وہاں پر نغمہ خواں ہو گئے۔)

بزمِ نور الدین گلستانی دگر درگہ نورِ جہاں جانی دگر

(نور الدین محمد جہانگیر کی محفل بھی ایک عجیب گلستان کا منظر پیش کر رہی تھی۔ نور جہان بیگم کے دربار کا اپنا ہی ایک وجود تھا۔)

دوسری جانب شعراء اور فضلاء کے عازم ہندوستان ہونے کے باعث ایران کی شعر و سخن کی محفلیں اجڑ چکی تھیں۔ عربی نژاد شیعہ علماء اور ان کے شاگردوں کے اقتدار کا دور دورہ تھا۔ شعراء اگر تھے تو انہیں ائمہ دوازدہ کی منقبت اور مرثیہ گوئی پر مجبور کر دیا

گیا تھا کیونکہ شاہان وقت اپنے قصائد کی بجائے ائمہ کی تعریف سننا زیادہ پسند کرتے تھے۔ اسی طرح شیعہ عقائد کی تصانیف کے سلسلے میں علماء کی حوصلہ افزائی کی جاتی تھی۔ ایسے علماء میں سے شیخ بہائی بھی شامل ہیں جو شام کے شہر بعلبک سے تعلق رکھتے تھے اور صفوی دور میں شیخ الاسلام کے عہدے پر فائز ہوئے تھے۔ انہوں نے جامع عباسی، تشریح الاملاک اور کشکول بہائی جیسی تصانیف چھوڑیں ہیں۔ اسی طرح ہمیں ملاصدرا (صدرالدین شیرازی) کا نام ملتا ہے جنہوں نے ۱۰۵۰ھ میں وفات پائی۔ انہوں نے دین و فلسفہ کے موضوعات پر کتب تحریر کیں۔ اسفار اربعہ، شواہد الربوبیہ، شرح اصول کافی، کتاب الہدایہ، شرح حکمت الاشراق، کتاب الواردات القلبیہ اور کسرالاصنام الجاھلیہ وغیرہ ان کی تصانیف ہیں۔ علامہ اقبال کے پی ایچ ڈی کے مقالہ میں بھی آپ کے فلسفیانہ افکار کا تفصیل سے ذکر ملتا ہے۔ اسی طرح ملاباقر مجلسی (متوفی ۱۱۱۱ھ) کا ذکر ملتا ہے جنہوں نے عربی میں بحارالانوار اور فارسی میں مشکوۃ الانوار، عین الحیات، حلیتہ المتقین، حیات القلوب، تحفہ الزائرین، جلال العیون وغیرہ لکھی ہیں۔ علاوہ بریں خشک فلسفے اور علم الکلام پر بھی ان دنوں کچھ کتابیں ملتی ہیں۔

صفوی بادشاہ اگرچہ خود ایک صوفی بزرگ کی اولاد میں سے تھے لیکن وہ خود صوفیاء کی زبردست مخالفت کرتے تھے۔ اس کی اہم وجہ یہ تھی کہ عموماً صوفیاء کرام سنی مسلک سے وابستہ تھے۔ صوفیوں کا اثر مریدوں اور عوام پر بہت تھا۔ ان سے یہ خطرہ درپیش تھا کہ کہیں وہ سرکاری مذہب کے خلاف کوئی تحریک نہ چلادیں۔ اس لئے انہوں نے مسلک تصوف سے عوام کی توجہ ہٹانا چاہی۔ صوفی شعراء اور نثرنگاروں کا ایران میں کوئی پرسان حال نہ رہا۔ غزل، مثنوی اور رباعی (جو صوفیانہ موضوعات کے بیان کا ذریعہ تھی) ماضی کے دھندلکوں میں کھو کے رہ گئیں۔ "تاریخ ادبیات ایران" کے مولف جناب رضازادہ شفق کے بقول شاہ طہماسپ اور شاہ عباس کا بالخصوص اور دیگر شاہان صفویہ کا بالعموم حکم تھا کہ قصیدے صرف ائمہ کے کہے جائیں، کسی صورت میں امراء اور رؤساء کی مدح خوانی نہ کی جائے۔ اسی لئے تمام صفوی عہد میں مولانا جامی کے علاوہ کوئی اور بڑا نام تاریخ شعروادب میں نہیں ملتا۔

صفوی دور میں شیعہ مذہب میں دیگر روایات کا اضافہ
تصورات کا ارتقاء

امامت کا تصور

ازمنہ قدیم میں ایران میں شہنشاہ کی ذات دینی (Religious) تسلط اور دنیاوی (Temporal) اقتدار کا سرچشمہ تھی اور مذہبی اعتبار سے وہ بھی خدا کی عکس سمجھی جاتی تھی۔ تمام مذہبی رہنما اس کی وفاداری کا دم بھرتے تھے۔ امام حسینؓ کی شخصیت میں بھی اہل ایران کو (یزدگرد سوم ساسانی شہنشاہ کی بیٹی حضرت شہربانوؓ کے عقد کے باعث) خاندان نبوت اور ایرانی شہنشاہیت کا امتزاج نظر آنے لگا۔ دینی اور نسلی و تمدنی فخر و مباہات یہاں سمٹتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ میراث ایران کے مولف آرجی آربری کے بقول مذاہب قدیم کا تتبع کرتے ہوئے فرد واحد کو صاحب اختیار و اقتدار قرار دے دیا گیا' یعنی صاحب الشریعہ یعنی بشر میں صفات خداوندی کا پرتو دیکھا۔ ان کے ہاں امام کی ذات رومن کیتھولک عیسائیوں کے پوپ کی بجائے نسطوریوں کے مسیح کے ہم پلہ نظر آتی ہے۔ آپ نے فلسفہ اسلام کے مولف ایم ہارٹن سے استناد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ پوپ کے مقابلہ میں امام کو شخصاً معصوم قرار دیا جاتا ہے اور عقائد کے اعتبار سے اس کا صاحب الشرع ہونا اور لغزش سے پاک ہونا مسلم ہے۔ امام کو معصوم سمجھا جاتا ہے اور مامور من اللہ تصور کیا جاتا ہے۔

عیسوی عقائد سے استنباط

جس طرح عیسائیوں کے ہاں مسلم ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قربانی نے دنیا بھر کے گناہگاروں کے گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا ہے' اسی طرح واقعہ کربلا سے قربانی اور انسانوں کے گناہوں کے کفارے کا تصور ملتا ہے۔ نور اللہ شوستری (متوفی ۱۶۱۰ء) کی کتاب مجالس المومنین میں سے پہلی مجلس کے الفاظ اگر احتیاط سے ملاحظہ ہوں تو یہ دنیا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا مہر قرار دی گئی ہے۔

اسی طرح جب کعبہ میں فتح مکہ کے موقع پر بت شکنی کے وقت رسول پاک ﷺ نے حضرت علیؓ کو اپنے کندھوں پر اٹھالیا' کیونکہ شوستری کے بقول وہ جملہ عیوب سے پاک تھے' وہ بقول آربری مسلک عیسویت میں اس واقعے کی یاد دلاتا ہے جب حضرت مریم علیہا السلام نے بحکم الٰہی بدون تصرف غیر حاملہ ہو کر اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی گود میں لے لیا۔

اگرچہ اس قسم کے فلسفیانہ دلائل وبراہین پر تمام شیعہ حضرات کا یکساں اتفاق نہیں ہے مگر مختلف آراء اور عقائد عہد صفویہ کی اگر تدوین کی جائے تو ان پر آربری کے بقول یوحنا کی انجیل کے آخری الفاظ کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ ان تمام افکار و عقائد کے باوجود امام غائب کے تصور کے زیر سایہ صفوی بادشاہوں کا اقتدار ایک مسلمہ امر رہا اور ہرچند انہوں نے ائمہ کی شخصیات کے سامنے اپنا امیج عاجزانہ انداز میں پیش کیا مگر اقتدار شخصی (Autocracy) اور آمرانہ طریق حکومت (Dictatorship) اپنے عروج پر رہی۔ چونکہ مذہبی علماء زیادہ تر باہر سے منگوائے گئے تھے اور مراعات شاہانہ سے لطف اندوز ہو رہے تھے اس لئے بادشاہت کے لئے خطرہ نہ بن سکے۔ انہی کی وفاداری نے شاہ کو امام کے مقام پر لا کھڑا کیا اور امام وقت کی غیابت (غیر حاضری) میں شاہ کو وہ اختیارات تفویض کر دیئے گئے جو امامت کا خاصہ تھے۔

واقعہ کربلا اور مرثیہ گوئی

ایران قدیم میں حماسہ گوئی (رزمیہ شاعری) کی رسم بہت اہمیت کی حامل رہی ہے۔ اگر ابو القاسم فردوسی طوسی (متوفی ۱۰۲۰ء) کے شاہنامہ کا مطالعہ کیا جائے یا ساسانی عہد کے خدائی نامہ (جس کا ترجمہ ابن المقفع متوفی ۷۵۷ھ کی بدولت فارسی میں ہوا) کا مطالعہ کیا جائے تو یہ اسالیب سخن واضح طور پر ابھرتے ہیں۔ ایران کی رزمیہ شاعری دراصل ڈرامہ نہیں بلکہ آرزومندی اور حصول عروج کی خواہش پر مشتمل ہے۔ فردوسی کا شاہنامہ تو ایرانی مشاہیر مثلاً سہراب اور زال کے مرثیوں یا سلطنت ہخامنشی اور ساسانی کے خاتمے پر لکھے گئے مرثیوں پر مشتمل ہے' جہاں ایران کی عظمت کے زوال اور اغیار کے عروج مثلاً سکندر اعظم مقدونی اور حضرت عمر فاروقؓ کے ایرانی بادشاہت پر حملوں کا رونا رویا گیا ہے اور آرزو کی گئی ہے کہ پھر کسی نہ کسی طرح یہ عظمت واپس آسکے۔ اسی

طرح افضل الدین بدیل خاقانی (جو ایک درویش منش سنی مسلمان تھا) نے حج کے سفر کے موقع پر قدیم ایرانی دارالحکومت مدائن کے کھنڈرات پر کھڑا ہو کر شاہان ساسانی کا جو مرثیہ لکھا ہے وہ بھی ایک قسم کا عظمت رفتہ پر افسوس کا خوبصورت اشعار میں اظہار ہے۔ اسی طرح شیخ سعدیؒ نے انقراض بغداد اور عباسی خلافت کے خوفناک خاتمہ پر افسوس کا اظہار کیا۔ نظامی گنجوی نے بھی یہ رسم زندہ رکھی ہے۔ اور بھانشی دور کے خاتمہ اور سکندر کے ہاتھوں داریوش کی موت کے موقع پر اس کا یہ شعر اپنی نظیر نہیں رکھتا ؎

نسب نامۂ دولتِ کے قباد
برگ بر برگ ہر سو برد باد

(کیقباد کی حکومت کے شجرۂ نسب کی کتاب کے ورق ایک ایک کر کے ہوا اڑا کر لے گئی۔)

صفوی دور میں یہی حماسہ گوئی ہمیں واقعہ کربلا اور دیگر ائمہ کی شہادت اور مظلومیت کے ادوار کا جذباتی نقشہ کھینچتی ہوئی نظر آتی ہے۔ اس حماسہ گوئی کو یہاں پر مرثیہ کا نام دیا جاتا ہے۔ ہرچند کہ سانحہ کربلا تین یوم پر مشتمل تھا مگر اس کی بابت جو اوراق شعر و نثر سے بھرے گئے ہیں وہ صدیوں پر محیط دکھائی دیتے ہیں۔ ان میں واقعہ نگاری، خیال آفرینی اور اثر انگیزی اپنے پورے عروج پر ہے۔ یہی مرثیے عاشورہ اور دیگر مجالس کے موقع پر پڑھے جاتے رہے ہیں اور انہیں کے زیر اثر ماتم کا سماں بندھتا ہے۔ اس میں ڈرامے کا عنصر نہیں ہے بلکہ شہادت کے واقعات کو گہرائی اور باریکیوں سے بیان کرتے ہوئے خاندان نبوتؐ پر نازل ہونے والے مظالم کا ذکر کرتے ہوئے امام وقت کی حکومت کے قیام اور احیاء اسلام کی آرزو کا رنگ جھلکتا ہے۔ آخری ادوار میں یہی مرثیے حماسہ گوئی کی جگہ لے لیتے ہیں۔ ان میں پوشیدہ آرزوؤں کا نکتۂ کمال ہمیں ایک مذہبی حکومت کے قیام کی خواہش کی صورت میں نظر آتا ہے۔

تعزیہ اور علامات

اسی دور میں تعزیہ کا فن عروج پر پہنچا اور ائمہ کے روضوں کے ماڈل بنا بنا کر نمائش کے لئے مذہبی عمارات سے عاشورہ اور دیگر مواقع پر باہر لائے جانے لگے۔ اسی طرح

واقعاتِ کربلا کی علامات مثلاً گھوڑا (ذوالجناح)، علم، پنجہ، تلوار اور دیگر علامات بطور نمائش ماتم کے مواقع پر باہر لائی جانے لگیں تا کہ لوگوں کے مذہبی جذبات کو جلا ملے اور حالات و واقعات کی تصویر اُن کے سامنے چلتی پھرتی نظر آئے، ان کا مقصد یہی تھا کہ اہم تاریخی مذہبی واقعات کا سماں بندھے اور جذبات پر ان کا گہرا اثر ہو۔ صفوی دور سے پہلے ہماری نظر سے یہ چیزیں نہیں گزریں۔ یہیں سے یہ نشانات صفوی حکومت کی جنگی فتوحات اور عسکری مہمات کے لئے اہمیت اختیار کر گئے تھے۔ یہ نشانات لوک ورثہ کی صورت میں قائم رہے اور ان کی تعمیر و تزئین کو خاص اہمیت دی جانے لگی۔ اس طرح باطنی اور قلبی معاملات کی جگہ ظاہری علامات نے لے لی۔

فلسفہ اور علم الکلام

اسلام سے قبل یہودیت کی تاریخ میں فقہ یعنی روزمرہ امور کے بارے میں مختلف مباحث ملتے ہیں۔ عیسائیت میں علم الکلام پر زور دیا گیا ہے۔ اسلام میں اہل سنت و الجماعت کے ہاں فقہ پر زیادہ زور ہے اور اکثر مذہبی تحریریں روزمرہ اور قانونی امور کی بابت ہیں۔ چونکہ اکثر مسلمان حکمرانوں کا تعلق سنی مسالک سے رہا ہے اس لئے ان کے علماء فقہ اور شرعی قوانین کی تدوین میں منہمک نظر آتے ہیں۔ تاکہ امور سلطنت اور عوام کے روزمرہ معاملات و مسائل کا مذہبی حل پیش کیا جا سکے۔ شیعہ احباب کے ہاں چونکہ اپنا نقطۂ نظر پیش کرنا اہم تھا اس لئے وہ علم الکلام کی دقیق موشگافیوں میں پڑے رہے۔ انہوں نے فلسفیانہ تحریکوں میں سے معتزلہ، اشعریہ، جبریہ اور قدریہ کے بہت سے افکار اپنا لئے تھے۔ اسی طرح ادیان ماضی کے تصورات بھی اسلام کی حقانیت کی شرح میں پیش کرتے رہے ہیں۔ صوفیاء کرام نے قلبی واردات اور روحانی معاملات کی وضاحت اس دلچسپ پیرائے میں پیش کی ہے کہ عوام اور خواص یکساں لطف اندوز ہو سکیں۔

سُنیوں کے ہاں غزالیؒ اور رازیؒ ایسے لوگ ملتے ہیں جو فلسفیانہ مسائل میں الجھے ہوئے نظر آتے ہیں۔ غزالی نے تو آخری زندگی میں "تہافۃ الفلاسفہ" لکھ کر فلسفیوں پر تنقید کی ہے اور دیگر صوفیاء اور سنی شعراء نے ایقان اور وجدان پر زور دیا ہے۔ رازی کے استدلال پر رومی کا یہ کہنا ہے ؎

گر بہ استدلال کارِ دین بدی فخرِ رازی راز دارِ دین بدی
پای استدلالیان چوبین بود پای چوبین سخت بی تمکین بود

(اگر دلائل دینے سے دین کی وضاحت کی جاسکتی ہو تو فخرالدین رازیؒ دین کے سب سے بڑے راز دان ہوتے۔ دلائل اور منطق کا سہارا لینے والے لوگوں کے پاؤں لکڑی کے ہوتے ہیں جو بہت بودے اور بیکار ہوتے ہیں۔)

اسی طرح ابو علی ابن سینا نے فلسفہ کا سہارا لیا ہے مگر حضرت علامہ اقبال نے رومی کے وجدان اور ایقان کو اس پر ترجیح دی ہے۔ علامہ فرماتے ہیں ؎

بوعلی اندر غبارِ ناقہ گم دستِ رومی پردۂ محمل گرفت
ایں فروتر رفت و تا ساحل رسید او بہ دریا مثلِ خس منزل گرفت
حق اگر سوزی ندارد حکمت است شعر می گردد چوں سوز از دل گرفت

(بوعلی سینا اونٹنی کے پاؤں کے گرد و غبار میں کھو گیا ہے جبکہ رومی نے محمل کا پردہ اٹھا کر محبوب کا چہرہ دیکھ لیا ہے۔ رومیؒ نے آگے بڑھ کر ساحل تک رسائی حاصل کر لی ہے مگر ابن سینا سمندر کی موجوں میں ہی خس و خاشاک کی طرح الجھ کے رہ گیا ہے۔ حق میں اگر سوز (ایمان کا نور) نہ ہو تو اسے دانائی کہتے ہیں لیکن اگر دل کی گہرائیوں سے اس میں سوز شامل ہو جائے تو وہ شعر بن جاتا ہے۔)

اس کے برعکس ہمارے شیعہ احباب نے فلسفہ اور علم الکلام میں زبردست رسائی حاصل کی ہے۔ صفوی دور میں ملا صدرا اپنی مثال آپ ہیں۔ شیعہ فلسفی ہمیں اُس وقت سنی مفکرین کی مدد کو آتے ہوئے نظر آتے ہیں جب وہ فلسفے میں الجھ کر رہ جاتے ہیں اور غیر مسلم اور گمراہ مفکرین کے اعتراضات کا جواب نہیں دے پاتے۔ اگر شیعہ مفکرین کے افکار کا مطالعہ کریں تو یوں لگتا ہے جیسے وہ مسکراتے ہوئے آگے بڑھ رہے ہوں، ساتھ ساتھ شک کا اظہار بھی کر رہے ہوں اور مختلف مثبت اور منفی پہلوؤں کی بابت پورے اعتماد اور دلجمعی سے پر اثر دلائل بھی دے رہے ہوں۔ پھر ہولے ہولے اپنی خوشگوار حیرت کا اظہار کرتے کرتے ایک دلپذیر انداز میں، بے پناہ طنز کے ساتھ اور نزاکت خیال کا اسلوب اپنائے ہوئے اپنا نقطۂ نظر واضح کرتے ہیں۔ اس طرح کے استدلال کے نتیجے میں اسلامی عقائد میں بنی نوع انسان کے نجات پانے کا عملی اور فکری اعتبار سے متوازن تصور

پایا جانے لگا اور بندہ و رب کے باہمی ربط کا پس منظر بھی معقول نظر آنے لگا۔ اس سے پہلے فقط اسی بات پر زور دیا جاتا رہا ہے کہ خدا وحدت محض ہے اور قرآن خدا کا کلام ہے۔ قرآن کے کلام الٰہی یا مخلوق الٰہی کے جھگڑے نے ایک عرصہ تک متکلمین کو لاحاصل بحث میں الجھائے رکھا تھا۔ اب توحید کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی کو مرکز بنا کر قربانی، شفاعت اور معصومیت کے اصول بیان کئے جانے لگے تھے۔ اگر شیعہ مصنفین کے علم الکلام کا مطالعہ کیا جائے مثلاً نور اللہ شوستری کی مجالس المومنین (جو عوام الناس کے لئے تحریر کی گئی ہے) یا ملا صدرا کی تصانیف کا مطالعہ کیا جائے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس مسلک میں تعصب کا شائبہ تک موجود نہیں ہے جبکہ عملی طور پر اس کے بالکل برعکس ثابت ہوتا رہا ہے۔

شیعیت کے بنیادی افکار سے ہوس اقتدار کے پجاریوں نے اکثر ناجائز فائدہ بھی اٹھایا ہے اور کبھی کبھی اپنے خوفناک مقاصد کے حصول کے لئے اِن تصورات کی آڑ لی گئی ہے حالانکہ ابتدائی افکار انتہائی سادہ رہے ہیں۔ شیعیت کے سیاسی روپ میں دینی دلالتیں بھی شامل رہی ہیں۔

تعصّب

اسی دور میں سنیوں کے خلاف تعصب کو ہوا دی گئی اور اکابرین کے لئے اہانت آمیز رویہ اختیار کیا گیا، حالانکہ اس سے پہلے سنی اور شیعہ اکابرین میں ذہنی ہم آہنگی پائی جاتی رہی ہے۔ نتیجتاً یہ لوگ مسلمانوں کی اکثریت سے کٹ کے رہ گئے تھے اور ان کے لئے حج پر جانا بھی ناممکن ہو گیا تھا۔ جلال الدین اکبر کے ابتدائی زمانہ میں جب اس کے مذہبی مشیر مخدوم الملک لاہوری سے پوچھا گیا کہ آپ اپنی دولت کے باوجود حج پر کیوں نہیں چلے جاتے تو ان کا جواب تھا (حالانکہ یہ عذر لنگ تھا) کہ حجاز کے سفر کے دو راستے ہیں، ایک سمندر کا ہے جس پر فرنگی (پرتگیزی) قابض ہیں اور ان کی اجازت کے بغیر یہ سفر ناممکن ہے اور دوسرا خشکی کا ہے جو ایران سے گزرتا ہے جہاں پر روافض قابض ہیں۔ میرا ضمیر اجازت نہیں دیتا کہ ایسے مقدس سفر کے لئے ان لوگوں سے اجازت نامہ لے کر وہاں سے گزروں۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ برصغیر کے سنی مسلمانوں میں اُن دنوں ایرانی صفویوں

کے عقائد اور اعمال سے بیزاری کا اظہار ہوتا تھا (ملاحظہ کیجئے شیخ اکرام کی "رود کوثر")۔ اسی وجہ سے نادر شاہ افشار نے حکومت سنبھالتے وقت یہ خطرہ بھانپ لیا تھا کہ اپنے سخت رویہ کے باعث ایران اردگرد سے کٹ چکا ہے۔ ماوراء النہر کے ازبک اور عثمانی ترک ایران پر حملوں کے موقع پر ان کے عقائد کے باعث اکثر برافروختہ ہو کر اپنی افواج کو ایران کے خلاف لڑائی پر اکساتے رہے ہیں۔

یہ امر باعث حیرت ہے کہ اُن دنوں ہندوستان کی مغل سلطنت میں مذہبی رواداری اپنے پورے عروج پر تھی اور اکبر کے علاوہ تمام دیگر بادشاہ سنی العقیدہ تھے، لیکن کبھی بھی وہاں پر سرکاری سطح پر کسی کو نفرت پھیلانے کا یا اس پر عمل کرنے کا موقع پیش نہیں آیا۔ یہی وجہ تھی کہ روشن فکر ایرانیوں کے لئے برصغیر پناہ گاہ بن چکی تھی۔ اورنگ زیب عالمگیر کو اپنے ایک شیعہ اعلیٰ عہدیدار کے خلاف جب کچھ لوگوں کے دلوں میں تعصب کی اطلاع ملی تو اس نے اس امر پر سختی سے نوٹس لیا تھا اور مذہبی تعصب کے خلاف وارننگ دی تھی۔

صفوی شیعیت

ڈاکٹر علی شریعتی مرحوم نے اسی وجہ سے صفوی شیعیت کو علوی شیعیت سے الگ بیان کیا ہے، کیونکہ صفوی شیعیت مخصوص غیر ایرانی ترک حکمرانوں (جو خود کو زبردستی سید کہلوانے پر مصر تھے) کی سیاسی مصلحت کے لئے شیعہ عقائد کے استحصال کا نام تھا، جس میں ظاہریت، علامات اور تعصب کو خاص مقام دیا جاتا تھا۔ جہاں شاہ کو تعظیمی سجدہ روا تھا اور جہاں غیر ایرانی علماء کے ذریعہ عوام الناس کے عقائد تبدیل کئے جاتے تھے، جہاں ہر طرح کے ظلم و ستم کو روا رکھ کر مخصوص نظریات کی اشاعت کی جاتی تھی۔ اس کے برعکس شیعان علیؑ کسی بھی طرح سنی مسلمانوں سے الگ تھلگ نہیں تھے۔ ان کے عقائد و اعمال کا اشتراک انہیں سنی مسلمانوں کے ساتھ مل کر ایک عظیم مسلمان قوم کی صورت عطا کرتا تھا اور وہ باہم شیر و شکر ہو کر رہتے تھے۔ ہر دو فرقوں کے اکابرین اور علماء و فضلاء دونوں فرقوں کے عوام میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ صفوی شیعیت کے زیر اثر مسلمانوں سے عمل کا جوہر چھن گیا تھا اور فرد کی آزادی ختم ہو گئی تھی۔ شاہ کی ذات اور

ایک متحدہ ایرانی قومیت کا تصور اہمیت اختیار کر گیا تھا۔

صفوی شیعہ عقائد اور شاہی استبدادی سیاست کا امتزاج چند صدیوں تک ایران پر اثر انداز رہا۔ جنوبی ہند کی وہ ریاستیں جو ابتدائی مغلیہ عہد میں صفوی بادشاہ کی باجگزار تھیں مثلاً گولکنڈہ، احمد نگر اور بیجاپور وہاں بھی صفوی استبدادی اثرات غالب رہے۔ یہاں پر شاہ ایران کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا رہا تھا تاوقتیکہ اورنگ زیب عالمگیر کی افواج نے ان کی حیثیت ختم کر دی تھی۔ اسی طرح نصیرالدین ہمایوں کی مدد کے لئے آنے والی ایرانی افواج کی اولاد اور بعد میں آنے والے ایرانی زعماء و افراد نے صفوی عقائد پر عملدرآمد جاری رکھا۔ برصغیر میں ہرچند کہ اثنا عشری شیعہ عقائد دیگر اسلامی عقائد کے مقابلہ میں بہت بعد میں آئے لیکن ان کے اثرات شدت سے محسوس کئے جانے لگے۔ آخری مغل دور میں یہ اختلافات کھل کر سامنے آ گئے۔ شیعہ اور سنی مسلمانوں کو قریب لانے کے لئے شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے عظیم کردار ادا کیا۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کے بقول (ملاحظہ کیجئے "برصغیر کی ملت اسلامیہ") آپؒ کے صاحبزادے شاہ رفیع الدینؒ (جنہیں سب سے پہلے قرآن پاک کا اردو ترجمہ کرنے کا شرف حاصل ہوا) پر تو باقاعدہ تشیع کا الزام لگایا گیا۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے خاندان کی کوششوں کے نتیجہ میں شیعہ سنی جذبات کی تلخی کی شدت میں واضح کمی آئی اور شیعہ احباب بھی دیگر مسلمانوں میں گھل مل گئے۔ لیکن بعد کے ادوار میں یہ تلخیاں کبھی کبھی ابھر کر سامنے آتی رہیں۔ چونکہ مسلمانوں کو انگریزوں اور سکھوں کے ادوار میں ہندو اکثریت اور سکھ قوم کے مقابلہ میں بقا کا مسئلہ بھی درپیش تھا اس لئے باہمی اختلافات قیام پاکستان تک دبے رہے اور اکثر و بیشتر ہمارے بزرگوں نے افہام و تفہیم اور رواداری سے کام لیا۔ کبھی بھی سنی اکابرین نے شیعہ مسلمانوں پر کفر کا فتویٰ نہیں لگایا۔ بحیثیت مجموعی شیعہ احباب کو مسلمانوں کا حصہ سمجھا جاتا رہا۔

ایران میں صفوی اور قاچاری دور کے انقراض کے بعد آہستہ آہستہ صفوی شیعیت کے اثرات ماند پڑتے چلے گئے (جس کا اجمالی جائزہ اگلے صفحات میں پیش کیا جائے گا) اور مختلف نوع کی فکری تحریکوں کے نتیجے میں اسلام کی اصل روح بیدار ہونے لگی۔ جمال

[باقی صفحہ ۸۰ پر ملاحظہ فرمائیے!]

رپورتاژ

اسلامی امارت افغانستان کا مطالعاتی و مشاہداتی سفر

—— نعیم اختر عدنان ——

افغانستان اسلامی تاریخ کے ہر دور میں بہادروں اور شہسواروں کا مرکز، شیروں کا مخزن، فاتحین اور سورماؤں کا مولد و منشا اور اسلام کا مضبوط قلعہ رہا ہے۔ چنانچہ امیر البیان امیر شکیب ارسلان غیور افغانیوں کے بارے میں رقمطراز ہیں کہ "میری جان کی قسم، اگر ساری دنیا میں اسلام کی نبض ڈوب جائے، کہیں بھی اس میں زندگی کی رمق باقی نہ رہے، پھر بھی کوہ ہمالیہ اور ہندوکش کے درمیان بسنے والوں میں اسلام زندہ رہے گا اور ان کا عزم جوان رہے گا"۔ علامہ اقبال نے بھی افغانی مسلمانوں کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کیا خوب فرمایا ہے ؎ افغان باقی کہسار باقی، الحکم للہ الملک للہ۔ برصغیر پر طویل عرصہ تک حکومت کرنے والے مشاہیر افغانستان کے راستہ ہی سے صنم خانۂ ہند میں داخل ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ افغانستان کی سرزمین کو غزنوی، خلجی، غوری، تیموری، ابدالی، تغلق، لودھی، سوری اور مغل حکمرانوں کی جولانگاہ کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ جس طرح انگریزی عہد حکومت میں انگلستان اور اس کے دارالحکومت لندن کو "ولایت" کہا جاتا تھا، بالکل اسی طرح اہل ہند کے لئے سرزمین افغانستان کو "ولایت" کی حیثیت حاصل تھی۔ صحاح ستہ کی ایک روایت کے مطابق حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ عنہما کے عہد خلافت میں حضرت تمیم انصاریؓ اور حضرت جبیرؓ کی قیادت میں ۷۲ حفاظ قرآن و مبلغین اسلام پر مشتمل نفوس قدسیہ نے افغانستان کی سرزمین کو اپنے قدموں سے شرف و افتخار بخشا۔ افغانستان کے دارالحکومت کابل کے مشہور قدیم ترین قبرستان "شہدائے صالحین" میں یہ پاک نفوس محو استراحت ہیں ع خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را۔

گزشتہ دنوں اسلامی امارت افغانستان میں تنظیم اسلامی پاکستان کے وفد کے ہمراہ اس عظیم اور تاریخی قبرستان کو بچشم سر دیکھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ مسنون طریقہ سے اپنے بے مثل اسلاف کی روحوں کو خراج عقیدت پیش کیا۔

جیسا کہ سب جانتے ہیں خاتم النبیین والمرسلین محمد مصطفیٰ اور احمد مجتبیٰ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے پوری دنیا

کے لئے نذیر و بشیر اور ہادی و رہبر بنا کر مبعوث فرمایا ہے اور اب آپؐ کی امت کو جس کا قرآنی نام امت مسلمہ ہے' تاقیام قیامت قافلہ انسانیت کی قیادت و امامت کا تاج پہنا کر نبوت و رسالت کے فریضہ کی ادائیگی اور تکمیل کی ذمہ داری ادا کرنا ہے۔ قرآن مجید نے' جسے بندوں کے نام خدا کے آخری پیغام کی حیثیت حاصل ہے' وضاحت سے دنیا کی خلافت و امامت کا اصل حق دار اہل ایمان ہی کو قرار دیا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے : "اللہ نے وعدہ کر لیا ہے تم میں سے ان اہل ایمان سے جو ایمان لائیں اور اعمال صالحہ سے آراستہ ہوں کہ وہ انہیں لازماً زمین کی خلافت عطا فرمائے گا جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں کو عطا فرمائی گئی تھی..."۔ (النور : ۵۵)

نبی اکرم ﷺ نے انسانی سطح پر کی جانے والی بے مثل جدوجہد کے ذریعے اللہ کا دین جزیرہ نمائے عرب پر غالب و نافذ فرمادیا۔ چنانچہ آپ کی پیروی میں برپا ہونے والے خلافت راشدہ کے زریں عہد کو "خلافت علیٰ منہاج النبوۃ" کی نبویؐ اصطلاح سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ خلافت راشدہ کے دورِ سعادت سے اُس وقت کی انسانیت نے جی بھر کر فیض اٹھایا جبکہ آج کے دور کی انسانیت بھی "یاہنوز اندر تلاش مصطفیٰؐ است" کے مصداق خلافت کے اِسی عادلانہ نظام عدل اجتماعی کی متلاشی ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے فرمودات عالیہ میں دنیا کے خاتمے سے پہلے پوری دنیا پر اسلام کے عالمی غلبہ کی خوشخبری بڑی وضاحت و صراحت کے ساتھ موجود ہے۔ یہ امر بھی معزز قارئین کی دلچسپی کا موجب ہوگا کہ اسلام کے عالمی غلبہ کی ابتداء سے متعلق اشارات بھی اسی خطہ ارضی سے متعلق ہیں جس پر افغانستان' پاکستان کے شمالی علاقہ جات (جن میں مالاکنڈ ڈویژن خاص طور پر قابل ذکر ہیں) وسط ایشیائی ریاستیں اور ایران کا کچھ علاقہ مشتمل ہے۔ عہد نبویؐ میں اور اس سے قبل اس پورے خطہ کو "خراسان" کہا جاتا تھا۔ قدیم زمانے کے عرب باشندے افغانستان کو دور دراز کا ملک سمجھتے تھے اور مسافت کی دُوری اور راستوں کی دشوار گزاری کے لئے اِسے بطور مثال پیش کرتے تھے۔ چنانچہ ایک عرب شاعر کہتا ہے ؎

قالوا خراسان اقصی ما یرادبنا
ثم القفول فقد جئنا خراسانا

"لوگوں نے کہا خراسان ہماری آخری منزل ہے' پھر اس کے بعد واپسی ہوگی۔ تو یہ لو ہم خراسان پہنچ گئے"۔

احادیث مبارکہ کی رُو سے اسی خطے کی اسلامی افواج حضرت مہدی کے لشکروں سے مل کر یہ نہ صرف بیت المقدس کو یہودی قبضہ سے آزاد کرائیں گی بلکہ پوری دنیا پر اسلام کو غالب و نافذ کرنے کے لئے جہاد و قتال کے معرکے بھی برپا کریں گی۔ علامہ اقبال نے اسی خطۂ ارضی کے بارے میں فرمان رسالتؐ کو بیان

کرتے ہوئے کیا خوب کہا ہے ؎

میر عرب ؐ کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے
میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے

برعظیم پاک و ہند میں گزشتہ چار صدیوں سے احیائے دین کی تجدیدی مساعی کے تسلسل میں اور افغان جہاد میں لاکھوں اہل ایمان کی قربانیوں کے ذریعے ماضی کا افغانستان جو کمیونسٹ روس کو تسلیم کرنے والا دنیا کا اولین ملک تھا، اب طالبان تحریک کے نتیجے میں اسلامی امارت افغانستان کے قالب میں ڈھل چکا ہے۔ روس میں کمیونسٹ انقلاب کی کامیابی کے بعد سے لے کر افغانستان پر روس کی فوج کشی تک یعنی ۱۹۲۱ء سے ۱۹۷۹ء تک کے عرصہ پر مشتمل روس افغان تعلقات کا ساٹھ سالہ دور ہمیں بڑے قریبی، گہرے اور مضبوط تعلقات کا آئینہ دار نظر آتا ہے۔ چنانچہ ۱۹۲۳ء میں افغانستان کے حکمران امیر امان اللہ نے امیر کی بجائے "بادشاہ" کا لقب اختیار کر لیا اور اس نے ملک میں دُور رس نتائج کی حامل تبدیلیوں کی داغ بیل ڈال دی۔ افغانستان کے بادشاہ نے ترکی کے کمال اتاترک کی پیروی میں افغان خواتین کے لئے پردہ نہ کرنے کا شاہی فرمان جاری کرتے ہوئے مخلوط تعلیم رائج کر دی۔ چنانچہ "نہ گورِ سکندر نہ ہے قبر دارا، مٹے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے" کے مصداق علانیہ کفر کا حکم دینے والے حکمران ٹولے کو یکے بعد دیگرے تخت حکومت سے معزول کر دیا گیا۔ اب افغانستان کی باگ ڈور جنرل نادر خان کے ہاتھ میں تھی جس نے ملک کے حالات کو کسی حد تک درست کیا۔ اسی افغان حکمران جنرل نادر خان ہی کی دعوت پر علامہ اقبال، سر راس مسعود اور علامہ سید سلیمان ندویؒ نے ۱۹۳۳ء میں افغانستان کا دورہ کیا تھا، اس وفد نے کابل ہوٹل میں قیام کیا تھا۔ جو اب طویل خانہ جنگی کے نتیجے میں بقیہ کابل کی طرح اپنی بربادی و ویرانی پر زبان حال سے نوحہ کناں ہے اور پکار پکار کر کہہ رہا ہے "وَاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ"۔ یہاں کے حکمرانوں اور قائدین کے ناعاقبت اندیش رویوں اور فیصلوں نے بہادر اور غیور افغان قوم کو تباہی و بربادی کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ مگر جیسا کہ سنت الٰہی ہے کہ وہ مردہ میں سے زندہ کو اور زندہ میں سے مردہ کو نکالتا ہے، چنانچہ مفلوک الحال اور تباہی سے دوچار افغان قوم میں اللہ تعالیٰ نے از سرِ نو "یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا" کی سی شان کے ساتھ "حیات نو" پیدا کر دی اور بقول اقبال "افغان باقی کہسار باقی" کے مصداق یہ قوم ان شاء اللہ قیامت تک زندہ و تابندہ رہے گی۔ اس لئے کہ یہ قوم علامہ کے اس شعر کا مصداق کامل ہے کہ

دگردوں جہاں ان کے زور عمل سے
بڑے معرکے زندہ قوموں نے مارے

ماضی کا افغانستان اب طالبان کے زیر سایہ اسلامی امارت افغانستان میں تبدیل ہو چکا ہے۔ چنانچہ

شاہراہوں پر طالبان حکومت کی نگران چوکیاں جابجا نظر آتی ہیں جن پر لہراتا ہوا سفید پرچم دنیا کو افغانستان کی اسلامی حکومت کی طرف سے امن و امان کا پیغام رحیل دیتے ہوئے زبان حال سے کہہ رہا ہے کہ ؎
حفاظت پھول کی ممکن نہیں ہے اگر کانٹے میں ہو خوئے حریری۔ دیو ہیکل روسی ٹینکوں کی روز شب کی مسلسل یلغار اور ہزاروں پونڈ وزنی بموں کے بے محابہ استعمال کے بعد سڑک نام کی کسی شے کا وجود کیسے برقرار رہ سکتا ہے؟ مگر انسان چونکہ خلیفۃ اللہ ہے 'نائب خدا ہے اور ویرانوں کو آباد کرنے کی صلاحیت اور قوت سے آراستہ ہے' وہ تباہ و برباد دنیا اللہ کے اذن سے حیات نو بخش دیتا ہے۔ چنانچہ تعمیر نو کے جذبہ اور ولولۂ تازہ سے سرشار افغان مزدور "خادم خلق" بن کر شاہراہوں پر محنت و مشقت کرتے نظر آئے۔ اس محنت و مزدوری کا بدلہ کسی حد تک عام مسافر بھی ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ طور خم سے جلال آباد تک سڑک کے دونوں اطراف سرسبز و شاداب کھیت لہلہا رہے تھے جن میں گندم کے علاوہ پوست کی رنگا رنگ اور خوبصورت فصل قدرتی حسن کو دوبالا کر رہی تھی۔ زیتون کے باغات کا تذکرہ ہم نے قرآن مقدس میں تو بارہا پڑھ رکھا تھا مگر پہلی دفعہ ان باغات کو "جنت ارضی افغانستان" میں دیکھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ سبز و سفید اور سیاہ لباس میں ڈھکے پہاڑوں کے دامن میں بھیڑوں اور بکریوں کے چرتے ریوڑ اور ناکارہ روسی ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں افغانیوں کی جرأت و بہادری کے گواہ اور روسیوں کی حماقت پر زبان حال سے نوحہ کناں تھے۔

سڑک کے دونوں جانب دنیا کی سپر طاقت روس سے نبرد آزما ہونے والے عظیم افغان شہداء کی قبریں اپنے اندر محو استراحت "زندہ اہل ایمان" کے لافانی ہونے کا اعلان کرتے ہوئے اہل افغانستان کو یہ پیغام دے رہی تھیں کہ "ہمارا خون بھی شامل ہے تزئین گلستان میں 'ہمیں بھی یاد کر لینا چمن میں جب بہار آئے"۔ جلال آباد امارت اسلامی افغانستان کا پہلا شہر ہے جہاں افغانستان کے مشہور فرمانروا امیر حبیب اللہ اپنے نائب السلطنت سردار عنایت اللہ خان' اپنے بیٹے غازی امان اللہ اور اپنی ہمسر (بیوی) ملکہ ثریا کے ساتھ مسجد سراج الامارت کے احاطے میں مدفون ہیں۔ سرحد کے سرخپوش رہنما خان عبد الغفار خان نے بھی اس شہر کو اپنی آخری آرام گاہ کے طور پر منتخب کیا تھا۔ مسجد سراج الامارت میں نماز مغرب ادا کرنے کے بعد واپسی پر دودھ والی چائے کی "عیاشی" کی۔ چائے کے واجبات افغان کرنسی میں ادا کئے تو بات ۳۰ ہزار افغانیوں تک جا پہنچی۔ "افغانی" کے مقابلہ میں پاکستانی روپیہ اور پاکستانیوں کے مقابلے میں افغانیوں کا ایمان کافی مضبوط ہیں۔ جلال آباد کا شہر صوبہ ننگرہار کی ولایت میں شامل ہے' اس مناسبت سے تنظیم اسلامی کے وفد کا قیام ولایت ننگرہار کے سرکاری مہمان خانے میں مِلمان (مہمان) کی حیثیت سے ہوا۔ رات کا کھانا افغانوں کی روایتی مہمان نوازی کا مظہر تھا۔

۲۴/مارچ کی صبح مولانا قاری سعید احمد جو جلال آباد یونیورسٹی کے استاد بھی ہیں' ہمارے میزبان تھے۔ ناشتے سے فراغت کے چند لمحوں بعد یونیورسٹی اساتذہ کے تین رکنی وفد سے (جسے خصوصی طور پر مدعو کیا گیا تھا) تفصیلی تعارف اور تبادلہ خیال ہوا۔ اسی نشست کا حاصل یہ تھا کہ ہمیں اسلامی آئیڈیالوجی کے ساتھ ساتھ عصری علوم اور خصوصاً جدید ٹیکنالوجی کو بھی اپنانا ہوگا' اس کے بغیر معاشرے کی صحت مند بنیادوں پر تعمیر و تشکیل ناممکن ہے۔ افغانستان میں غیر سرکاری انجمنوں (NGO's) کے کام اور کردار کے متعلق بھی تبادلہ خیال ہوا۔ یونیورسٹی اساتذہ کی طرف سے تنظیم اسلامی کے وفد سے ایک پیچیدہ سوال بھی کیا گیا کہ "تنظیم اسلامی کا وفد اتنی تاخیر سے افغانستان کیوں پہنچا ہے؟" اس سوال کے جواب میں وفد کے امیر جناب میجر (ر) فتح محمد نے کہا کہ روسی افواج کے جانے کے بعد یہاں مختلف الخیال جماعتوں کی حکومت تھی' تنظیم اسلامی ان جہادی گروپوں میں سے کسی کے ساتھ بھی اپنے آپ کو چسپاں کرنا نہیں چاہتی تھی۔ چنانچہ جونہی طالبان کے ذریعے افغانستان میں ایک قیادت کے تحت اسلامی حکومت کا قیام عمل میں آگیا تو امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ نے تنظیم کے وفد کو طالبان حکومت کے ساتھ اپنی قلبی وابستگی اور نیک خواہشات کے اظہار اور افغانستان کی اسلامی حکومت کے اقدامات کے مطالعے کے لئے یہاں بھیج دیا۔ قاری صاحب کے ہاں سے فراغت حاصل ہونے کے بعد جلال آباد سے کابل کے لئے روانگی ہوئی۔ جلال آباد شہر میں قائم گاڑیوں کے شوروم زمیں کھڑی چمکتی دمکتی گاڑیوں کے سوا کوئی عمارت' کوئی پارک اور کوئی گھر ایسا نہ تھا جسے ۲۰ سالہ جنگ نے تباہ نہ کر دیا ہو۔ "سروبی" میں' جو ایک مشہور قصبہ ہے' نماز ظہر اور کھانے کے بعد ہمارا قافلہ کابل کے لئے پھر سے عازم سفر ہو گیا۔ "سروبی" کے قصبے کو اس وقت شہرت حاصل ہوئی تھی جب طالبان کی یلغار سے بے بس اور خوف زدہ ہو کر گلبدین حکمت یار نے اس قصبے کو اپنا دفاعی مورچہ بنا لیا تھا مگر انہوں نے کابل ہی کی طرح سروبی میں بھی کسی قسم کی مزاحمت سے گریز ہی کیا۔

ہمارا قافلہ دو گاڑیوں پر مشتمل تھا۔ ایک گاڑی جناب ڈاکٹر محمد اقبال صاحب کی تھی اور دوسری گاڑی کرایہ پر لی گئی تھی۔ کرایہ والی گاڑی کے ڈرائیور نے اپنا ٹیپ ریکارڈ "آن" کیا تو ایک گیت کانوں کو مسحور اور دلوں کو مسرور کرنے لگا۔ طالبان کی حمایت میں ترتیب دیئے گئے اس گیت کے بول کچھ یوں تھے: "اللہ کی نصرت ہمارے ساتھ ہے' اے مسعود! اے دوستم! تم کیوں طالبان سے لڑتے ہو۔ اے ظالمو! طالبان بہت اچھے ہیں' ان سے جنگ مت کرو"۔ تنظیم اسلامی کا وفد نماز مغرب سے ذرا پہلے افغانستان کے دارالحکومت کابل پہنچا۔ اس شہر کے در و دیوار "بخت نصر" کی یاد دلا رہے تھے جس نے آج سے ڈھائی ہزار سال قبل یروشلم کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی۔ کابل کی انڈسٹریل اسٹیٹ کھنڈرات کا

روپ دھار چکی ہے۔ جن کارخانوں میں کبھی عمدہ سے عمدہ اور نوع بہ نوع اشیائے صرف تیار ہوا کرتی تھیں وہاں آج سکوت اور ویرانی نے اپنا ڈیرہ جمایا ہوا ہے۔ افغانستان کے در و بام کیوں تباہ ہوئے؟ اہل افغانستان کو کس جرم کی پاداش میں سرخ سامراج نے اپنے خونیں پنجوں کی گرفت میں لینے کی ناکام کوشش کی؟ جرم یقیناً یہی تھا کہ ؎ افغانیوں کی غیرتِ دین کا ہے یہ علاج 'ملا کو اس کے کوہ و دمن سے نکال دو۔ مغرب سے عشاء کے درمیان کچھ دیر "خجل خراب" ہونے اور آریانا اور پلازا ہوٹلز کا "تماشا" دیکھنے کے بعد بالآخر انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل کابل قافلہ کی جائے قیام ٹھہرا۔ ہوٹل کے جنرل منیجر مولانا حیات اللہ حیاتی نے وفد کو خوش آمدید کہتے ہوئے آناً فاناً تمام سہولیات بہم پہنچا دیں۔ نماز عشاء اور طعام کے بعد تھکے ماندے مسافر رات کی نیند کے مزے لینے کے لئے محو استراحت ہو گئے۔

۲۵/ مارچ کی صبح کا آغاز نماز فجر کی باجماعت ادائیگی سے ہوا۔ مولانا عبدالحلیم افغانی (جنہیں اس سفر میں ناظم صلوٰۃ کی اضافی ذمہ داری سونپی گئی تھی) نے نماز کی امامت فرمائی۔ ناشتہ و دیگر ضروریات سے فراغت کے بعد حسب قرارداد مولانا حیات اللہ حیاتی (ہوٹل منیجر) ملاقات کے لئے تشریف لے آئے۔ ۳۵ سالہ چاک و چوبند نوجوان عالم دین دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے فارغ التحصیل ہیں' جبکہ موصوف کی عصری تعلیم ایف اے ہے۔ مولانا نے وفد کو بتایا کہ میں قبل ازیں آریانا ہوٹل میں اپنی ذمہ داریاں ادا کرتا رہا ہوں' جبکہ گزشتہ ڈیڑھ سال سے میں انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل کے جنرل منیجر کی حیثیت سے خدمات سرانجام دے رہا ہوں۔ انہوں نے بتایا کہ اس وقت دارالحکومت کابل میں مجموعی طور پر سات بڑے ہوٹل کام کر رہے ہیں جن کی آمدنی اسلامی امارت افغانستان کے بیت المال کو جاتی ہے۔ ماضی کے انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل کے بارے میں انہوں نے تنظیم کے وفد کو بتایا کہ دنیا میں معروف "چلن" کے تمام طور طریقے یہاں بھی رائج تھے اور شراب و کباب "بڑے پیمانے اور عمدہ معیار" کے ساتھ سپلائی کیا جاتا تھا۔ گویا انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل کابل کو بے حیائی اور فحاشی کے بین الاقوامی اڈے کی حیثیت حاصل تھی۔ طالبان سے پہلے مجاہد تنظیموں کے دور حکومت میں اگرچہ یہاں شراب بند کر دی گئی لیکن ہوٹل کے مختلف شعبوں میں حسب سابق کارکن خواتین اپنی ملازمت جاری رکھے ہوئے تھیں' جن میں سے اکثر جنسی بے راہ روی میں ملوث تھیں۔ طالبان حکومت نے ملک کے دیگر اداروں کی طرح جملہ ہوٹلز کو بھی مخلوط ماحول سے پاک کر دیا۔ انہوں نے بتایا کہ طالبان حکومت نے ملازم خواتین کو ایک سال تک بغیر کام کے تنخواہ دی۔ بعد ازاں عورتوں کو ملازمت سے فارغ کر دیا گیا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ ماضی کی مجاہد تنظیموں کی حکومت اور طالبان حکومت کا فرق واضح کرتے ہوئے بتایا کہ ماضی میں اس ہوٹل پر بیت المال کا کثیر خرچ اٹھتا تھا جبکہ اب ہوٹل کی آمدنی بیت المال میں جمع ہوتی ہے۔

افغانستان کی اسلامی حکومت کے مختلف شعبہ جات کا مشاہدہ کرانے کے حکومتی پروگرام کے انتظار میں ہی آج کا دن گزر گیا۔ ہوٹل کے قرب وجوار کے علاقہ میں چہل قدمی کا موقعہ البتہ ضرور ملا۔ اسی روز جمعیت العلماء اسلام کے نائب امیر مولانا حافظ حسین احمد بھی اپنے کویتی اور یمنی دوستوں کے ہمراہ انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل تشریف لے آئے۔ استقبالیہ پر مولانا سے تعارفی ملاقات اور رسمی سلام ودعا ہوئی۔

۲۶/مارچ کی صبح نماز فجر' ناشتہ اور دیگر ضروریات سے فراغت کے بعد وفد کے ارکان حکومتی پروگرام کے انتظار میں تھے کہ راقم نے مولانا غلام اللہ حقانی کی معاونت سے حافظ حسین احمد کا کمرہ ڈھونڈ نکالا۔ تھوڑی ہی دیر راقم ناظم حلقہ آزاد کشمیر جناب خالد محمود عباسی اور ان کے ہم منصب جناب شاہد اسلام صاحب کے ہمراہ مولانا حافظ حسین احمد سے ملاقات کے لئے ان کے کمرے میں تھا۔ یہ موقع غنیمت جانتے ہوئے حافظ حسین احمد سے انٹرویو کے قالب میں مختصر گفتگو بھی کی جو نذر قارئین کی جارہی ہے:

☆ حافظ صاحب! افغانستان میں تو طالبان تحریک کے ذریعے اسلامی حکومت قائم ہو چکی ہے مگر یہ فرمایئے کہ پاکستان کی دینی جماعتیں اس وقت کہاں کھڑی ہیں؟

○ پاکستان کی وہ دینی اور مذہبی جماعتیں جو میدان سیاست میں داخل ہیں اور موثر بھی ہیں' وہ بدقسمتی سے ملک کے لادینی نظام کے دائرۂ کار میں ہی رہتے ہوئے نظام کی تبدیلی کی کوشش کر رہی ہیں۔ ایسی تمام کوششیں اور جدوجہد سعی لاحاصل ہے۔ لادینی نظام کی علمبردار اور اس کی تقویت کا باعث بننے والی جماعتوں کے ساتھ دینی جماعتوں نے وقتاً فوقتاً اتحاد بنا کر اس روش کا حاصل اور نتیجہ دیکھ لیا ہے۔ پاکستان قومی اتحاد' ایم۔ آر۔ ڈی' آئی جے آئی اور اب پاکستان عوامی اتحاد! ان اتحادوں کے ذریعے ہماری قیادت نے عوام کو ایک وقت میں اتحاد و یکجہتی کا درس دیا' بعد ازاں انہی لوگوں کے خلاف عوام کے مذہبی جذبات کو ابھارنے کی کوشش کی۔ یہ دورخی اور تضاد کی مظہر پالیسی ہی مذہبی جماعتوں کی ناکامی کا اصل سبب ہے۔ اتحادی سیاست کی بنیاد ہی ہنگامی اور وقتی سیاست کی مرہون منت ہوتی ہے' لہٰذا ان اتحادوں کا خاتمہ بھی ہنگامی طور پر اور اچانک ہو جاتا ہے۔ ہمارے ملک میں پائیدار اور مثبت بنیادوں کے لئے کبھی کوئی اتحاد نہیں بنا۔ جب تحریک کی قیادت کسی ایک شخص کے پاس ہو' تبھی وہ تحریک کامیابی سے ہمکنار ہوتی ہے (دور حاضر میں افغانستان کی طالبان تحریک اس کی نمایاں مثال ہے) جبکہ پاکستان میں مختلف تحریکوں کی ناکامی کا اصل سبب ایک قیادت کا فقدان ہے۔ ہر شخص خود کو امیر قافلہ سمجھتا ہے جبکہ اسلامی تحریک درحقیقت ایک امیر کی قیادت ہی میں کامیابی حاصل کر سکتی ہے۔

☆ طالبان کی اسلامی حکومت کے بارے میں پاکستان کی دینی جماعتوں کا نقطہ نظر کیا ہے' اس کی وضاحت فرمائیں۔

○ یہ دینی جماعتوں کی بدقسمتی ہے کہ ان کی قیادت طالبان حکومت کے جرأت مندانہ اسلامی اقدامات کی تعریف بھی کرتی ہے' لیکن مگر' اگرچہ' تاہم" کہہ کر وہ خود کو اسلام مخالف اور دین دشمن کیمپ میں کھڑا کر لیتے ہیں۔ مغربی طاقتوں نے افغانستان کی اسلامی حکومت کے خلاف بے سروپا اور خلاف حقیقت پراپیگنڈے کا محاذ کھول رکھا ہے۔ پاکستان کی بعض دینی جماعتیں (جن میں جماعت اسلامی پیش پیش ہے) اور ان کے قابل فخر قائدین اپنی پوزیشن واضح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "ہمارا اسلام طالبان کے اسلام کی طرح متشدد نہیں ہوگا" اب اگر اسلامی تحریک کا قائد ہی ایسا بیان دے دے تو ہمیں اغیار سے کیا گلہ شکوہ ہو سکتا ہے؟

☆ بھارت میں "بی جے پی" کی حکومت کے قیام پر آپ کا کیا تبصرہ ہے؟

○ اس وقت عالمی سطح پر مذہبی تحریکوں کا دور دورہ ہے۔ الجزائر یا ترکی' فلپائن ہو یا افغانستان' اسرائیل ہو یا ہندوستان' برطانیہ یا امریکہ۔ ہر جگہ ایک ہی رجحان ہے۔ اس عالمی رجحان کے سامنے ہندوستان کی کانگریس جیسی مضبوط جماعت بھی رکاوٹ نہیں بن سکی تو پاکستان مسلم لیگ اور پیپلزپارٹی غلبہ واحیاء دین کی تحریک کا راستہ روکنے میں کیسے کامیاب ہو سکتی ہیں۔

☆ موجودہ حالات میں ملک میں اسلامی انقلاب کیسے برپا ہوگا؟

○ بڑی مقدار میں جمع شدہ گندے پانی کو بڑے سے بڑا بند بھی نہیں روک سکتا۔ انقلاب اور تبدیلی اپنا راستہ خود بناتے ہیں۔ دینی سیاسی جماعتوں کے سربراہ اس وقت خود سوچنے پر مجبور ہو چکے ہیں کہ موجودہ انتخابی سیاست کے ذریعے حصول مقصد ممکن نہیں ہے۔ عوام میں موجودہ استحصالی نظام کے خلاف جو لاوا پک رہا ہے اس سے دینی سیاسی جماعتوں کی ناکامی کھل کر واضح ہو رہی ہے۔ افغانستان میں اگر صدر ربانی اور حکمت یار اسلامی اقدامات اٹھاتے تو طالبان کی حکومت کبھی قائم نہ ہوتی۔

☆ پاکستان کی دینی جماعتیں طالبان حکومت کی حمایت کے لئے کیا کردار ادا کر سکتی ہیں؟

○ طالبان حکومت کو پاکستان کی دینی جماعتوں کی حمایت کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ان دینی جماعتوں کو اپنی بقاء کے لئے طالبان کی حمایت کی ضرورت ہے۔ پاکستان کے حالات افغانستان کے مقابلے میں کافی مختلف ہیں۔

حافظ حسین احمد کے ساتھ بیٹھے ہوئے کویت کے اسلامی بینک کے سربراہ نے راقم کو بتایا کہ

ہم نے اسلامی امارت افغانستان کے سربراہ ملا محمد عمر سے اپنی ۳۵ منٹ کی ملاقات میں زور دیا ہے کہ طالبان حکومت اسلامی ممالک میں زیادہ سے زیادہ وفود بھیجے۔ افغانستان کی اقتصادی و معاشی صورت حال کی بحالی کے لئے ہم نے انہیں کئی قابل عمل منصوبوں کی پیشکش کی ہے۔ ہم نے کہا ہے کہ افغانستان کے امیرالمومنین اپنے آپ کو صرف افغانستان ہی کا امیرالمومنین نہ سمجھیں بلکہ وہ خود کو پوری اسلامی دنیا کا امیرالمومنین سمجھیں۔ اس وفد نے ملا عمر کو طالبان حکومت کی کمزوریوں سے بھی آگاہ کیا اور انہیں مشورہ دیا کہ وہ ملک کے ہر شعبے کو اسلامی اصولوں کے زیر سایہ زندہ کریں۔ بھوکی افغان قوم کو خوشحالی سے بھی ہمکنار کریں ورنہ بھوکی قوم کب تک خاموش بیٹھی رہے گی!"

☆ کیا پاکستان افغانستان کی صورت حال سے اپنے آپ کو الگ رکھ سکتا ہے؟

○ بحیثیت قوم ہماری سوچ "امپورٹڈ" ہے۔ بعض لوگوں کی یہ سوچ کہ طالبان کا انقلاب ہی موثر ہوگا' انتہائی سادگی اور اپنے فرائض سے چشم پوشی کے مترادف ہے۔ افغان جہادی گروپوں کے رہنماؤں کی سوچ بھی یہی تھی کہ کوئی اور آکر حالات درست کرے گا مگر ایسا نہ ہو سکا۔ افغان عوام نے اپنی قسمت بدلنے کے لئے خود کو طالبان تحریک کی شکل میں منظم کرنے کا فیصلہ کیا۔ کشمیری قیادت بھی مصلحتوں کا شکار ہو گئی اور اُس نے اصل مقاصد کو پس پشت ڈال کر ذاتی اور گروہی مفادات کو مطمع نظر بنالیا۔ فلسطین' الجزائر' ترکی اور بوسنیا کی نوجوان نسل نے اپنی تقدیر بدلنے کا فیصلہ کر لیا۔ یہی کچھ افغانستان کی تحریک میں ہوا' جوان کی کامیابی کا اصل محرک ہے۔ طالبان حکومت کے خلاف کئے جانے والے منفی پراپیگنڈے کے حوالے سے ایک مثبت پہلو بھی سامنے آرہا ہے' وہ یہ ہے کہ طالبان صحیح اسلام لانا چاہتے ہیں اور لا رہے ہیں۔ طالبان کے اسلامی اقدامات نے مغربی دنیا کو ہلا کر رکھ دیا ہے اور پوری دنیا کو طالبان نے اپنے اسلامی اقدامات سے لرزہ براندام کر رکھا ہے۔ اگرچہ پاکستان میں طالبان کی طرز کا انقلاب تو نہیں آسکتا مگر ہر سطح پر طالبان حکومت کا دفاع کیا جاسکتا ہے اور دینی جماعتوں کو یہ کام کرنا چاہئے۔ دینی جماعتوں کو ہر محاذ پر طالبان حکومت کے حق میں آواز بلند کرنی چاہئے۔

انٹرویو کے دوران ہی میجر صاحب نے بتایا کہ اب وفد کا قیام کسی اور جگہ ہوگا لہٰذا دس منٹ کے اندر اندر یہاں سے روانگی ہوگی۔ افغان حکومت کے افسر مہمان داری جناب محمد فہیم کے ذریعے تنظیم کے وفد کے لئے اگلے تین روز کا پروگرام طے ہو گیا۔ اسلامی امارت افغانستان کے دارالحکومت کابل میں حکومتی سطح پر وفد کی پہلی ملاقات قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) الحاج نور محمد ثاقب سے ان کے دفتر میں

ہوئی۔ امیر وفد میجر ریٹائرڈ فتح محمد نے تنظیم اسلامی کے وفد کا تعارف کراتے ہوئے بتایا کہ وفد کے بیشتر اراکین تنظیم کی مرکزی مجلس مشاورت کے رکن اور ملک کے مختلف حلقہ جات کے امراء و ناظمین ہیں۔ میجر صاحب نے امیر تنظیم اسلامی کے افکار و نظریات اور تنظیم کے لائحہ عمل کا مختصر مگر جامع تعارف کرانے کے بعد کہا کہ تنظیم اسلامی افغانستان کی اسلامی حکومت کو انتہائی قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ امیر تنظیم اسلامی نے طالبان حکومت کو تسلیم کرانے کے لئے نہ صرف سب سے پہلے آواز اٹھائی بلکہ تنظیم اسلامی نے طالبان حکومت کو تسلیم کرانے کے لئے خاموش مظاہرے بھی کئے۔ ہماری دلی آرزو ہے کہ اللہ تعالیٰ افغانستان کی اسلامی حکومت کو اسلام کے عالمی غلبے کا ذریعہ بنائے۔ میجر فتح محمد صاحب نے قاضی صاحب کو بتایا کہ تنظیم کے وفد کا یہ دورۂ خالصتاً مطالعاتی و مشاہداتی اور اس کا مقصد اسلامی معاشرے کی برکات کا عملی مشاہدہ کرنا ہے۔ میجر صاحب نے مزید کہا کہ طالبان حکومت کے ذریعے افغانستان میں امن و امان کی بحالی بہت بڑا کارنامہ ہے۔ بے حجابی و بے پردگی کا تدارک اور موسیقی اور راگ و رنگ کا انسداد طالبان حکومت کے جرأت مندانہ اقدامات کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ قاضی صاحب سے افغانستان کے عدالتی نظام کے بارے میں تفصیلات بیان کرنے کی درخواست کی گئی۔ الحاج نور محمد ثاقب نے فرمایا کہ میں تنظیم اسلامی کے وفد کی افغانستان آمد پر دلی خوشی محسوس کرتا ہوں اور دل کی گہرائیوں سے قدر کرتا ہوں کہ آپ لوگ ٹرانسپورٹ کے خراب نظام کے باوجود افغانستان تشریف لائے۔ انہوں نے کہا کہ تنظیم اسلامی کے وفد کی افغانستان آمد کو اللہ تعالیٰ اس اسلامی ریاست کے لئے برکت اور تقویت کا ذریعہ بنائے۔ قاضی صاحب نے فرمایا کہ تنظیم اسلامی کا نمائندہ وفد جو پورے ملک سے تعلق رکھتا ہے ہمارے لئے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کی اسلامی خدمات اور خلافت کے نظام کے لئے جدوجہد کی ہم دل سے قدر کرتے ہیں۔ ہمیں پاکستانی عوام کی خدمات کا بھی اعتراف ہے جنہوں نے ہر مشکل وقت میں افغان عوام کا بھرپور ساتھ دیا۔ انہوں نے کہا کہ طالبان تحریک نے افغانستان کو اسلامی مملکت میں تبدیل کر دیا ہے۔ قاضی صاحب نے بتایا کہ افغانستان میں چونکہ غالب اکثریت حنفی (دیوبندی) مسلمانوں کی ہے لہٰذا ملک کا نظام اسی اسلامی فقہ پر مبنی ہے۔ افغان جہاد میں ملک کے علماء اور طلباء کے ساتھ صوبہ سرحد کے علماء اور پوری دنیا کے مخلص مسلمانوں نے حصہ لیا ہے۔ مولانا نے فرمایا ملک بھی اللہ کا ہے' حکومت بھی اللہ کی ہے اور نظام بھی اللہ کا ہے۔ اسلامی ملک میں غیر اسلامی نظام کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے' نہ امریکی نظام کی اور نہ روسی نظام کی' نہ فرانسیسی نظام کی اور نہ رومی نظام کی۔ اسلامی حکومت کے تحت حقوق اللہ اور حقوق العباد کے لئے الگ الگ محکمہ جات قائم ہیں۔ "تزکیۃ الشھود" کے اسلامی حکم کے حوالے سے گواہ کی

خصوصی طور پر تفتیش کی جاتی ہے۔ عدلیہ مکمل طور پر آزاد ہے اور اعلیٰ سے اعلیٰ حکومتی اہلکار بھی اس میں مداخلت کی جرات نہیں کر سکتا۔ قاضی صاحب نے ایک سوال کے جواب میں بتایا کہ فریقین کو مدافع (وکیل) کی سہولت حاصل ہے۔

جناب مختار حسین فاروقی نے سوال کیا کہ مختلف مسالک کے اختلافی مسائل کو کس طرح نپٹایا جاتا ہے؟ اس سوال کے جواب میں قاضی صاحب نے فرمایا کہ افغانستان کا اساسی قانون حنفی فقہ کے تصورات پر قائم ہے چونکہ ملک کی غالب اکثریت فقہ حنفی پر عمل پیرا ہے لہٰذا ملک میں ایک ہی قانون رائج ہے۔ اگرچہ ہم دیگر فقہی مذاہب (شافعی' مالکی' حنبلی) کو بھی اسلامی فقہ ہی سمجھتے ہیں۔ گویا پرسنل معاملات میں بھی ہر ایک کے لئے حنفی فقہ کی بنیاد پر ہی فیصلے کئے جاتے ہیں۔ قاضی صاحب نے فرمایا کہ سپریم کورٹ کے فیصلے کے خلاف امیرالمومنین کے پاس اپیل کی جاسکتی ہے جو عدالت کو نظر ثانی کی اپیل منظور کرنے کا حکم دے سکتے ہیں' اس لئے کہ قاضی صاحبان درحقیقت امیرالمومنین کے نائبین کی حیثیت ہی سے اپنے فرائض ادا کرتے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ جید علماء اور دانشوروں پر مشتمل کمیشن قائم کر دیا گیا ہے جو ملک کے اساسی قانون (آئین) کا جائزہ لے رہا ہے۔ یہ کمیشن تمام ملکی قوانین کو اسلامی شریعت کے مطابق ڈھالنے کا کام بھی کر رہا ہے۔ اسلامی حجاب' قصاص اور حدود و تعزیرات کا نظام نافذ کر دیا گیا ہے' چنانچہ مجرم کوئی ہو اسے بلا امتیاز سزا دی جاتی ہے۔ اسلامی قوانین کے نفاذ کے حوالے سے افغانستان کی اسلامی ریاست پر مغربی دنیا کا شدید دباؤ ہے مگر ہم اسلامی احکام کی تنفیذ کے معاملہ میں کسی دباؤ کو گوارا نہیں کریں گے۔ انہوں نے بتایا کہ عدلیہ میں خود احتسابی کا نظام بھی قائم ہے چنانچہ محکمات کے فیصلوں میں ناروا تاخیر کو بھی جرم خیال کیا جاتا ہے۔ اگر کسی مقدمہ میں یہ بات سامنے آجائے کہ کوئی قاضی بلاجواز فیصلے میں تاخیر کر رہا ہے تو اسے عہدے سے معذول بھی کر دیا جاتا ہے۔ لوگوں کو انصاف کے حصول کے لئے کسی قسم کی "کورٹ فیس" ادا نہیں کرنی پڑتی' یوں اسلامی ریاست افغانستان اپنے شہریوں کو مفت اور جلد انصاف فراہم کر رہی ہے۔ یہ نشست کم و بیش دو گھنٹوں پر محیط تھی۔

پاکستانی سفارت خانہ میں متعین نائب سفیر جناب محمد اصغر آفریدی سے ملاقات ہوئی۔ سفیر موصوف کو تنظیم اسلامی کے وفد کی آمد کا مقصد' امیر تنظیم کے فکر اور تنظیم اسلامی کی دعوت کا اجمالی تعارف کرایا گیا۔ جناب اصغر آفریدی نے اپنے جوابی کلمات میں تنظیم کے وفد کی افغانستان اور پاکستانی سفارت خانہ آمد پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے بتایا کہ خارجہ پالیسی کے حوالہ سے افغانستان کی اسلامی حکومت کو ابھی بہت کام کرنا ہے۔ خارجہ پالیسی کو بہتر بنا کر ہی مغربی دنیا کے پراپیگنڈے کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے۔ سفیر

موصوف نے وفد کو بتایا کہ پاراچنار' گردیز اور خوست کے علاقوں میں تعلیمی ادارے باقاعدہ طور پر کام کر رہے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ طالبان حکومت کے قیام سے پہلے ایک گروہ افغانستان میں لوٹ مار اور خانہ جنگی میں ملوث رہا ہے۔ اس وقت تباہ حال افغانستان کی اسلامی حکومت کو بقائی تعمیر نو کے لئے مالی وسائل کی شدید کمی کا سامنا ہے جب کہ امریکہ اور دیگر یورپی ممالک اور یو این او کی پابندیوں کی وجہ سے طالبان حکومت سخت مالی مشکلات سے دوچار ہے۔ جناب آفریدی صاحب نے بتایا کہ افغانستان کے قائم مقام صدر ملا محمد ربانی نے گزشتہ دنوں اسلام آباد میں ایک پر ہجوم پریس کانفرنس میں (جس میں مغربی میڈیا کے نمائندوں کی بڑی تعداد بھی موجود تھی) بتایا کہ ہم افغانستان میں تمام شعبہ جات کو اسلامی حدود کے اندر رہتے ہوئے منظم کر رہے ہیں۔ خواتین کی تعلیم کے لئے نصاب کی تیاری اور دیگر اقدامات کے لئے "کمیشن فار گرلز ایجوکیشن" قائم کیا جا چکا ہے۔ جونہی نصاب تیار ہو جائے گا اور مالی وسائل مہیا ہوں گے خواتین کو تعلیم کے زیر سے آراستہ کرنے کے لئے الگ تعلیمی ادارے کام کرنے شروع کر دیں گے۔ جناب اصغر آفریدی نے بتایا کہ اس وقت پاکستان ہی دنیا کا واحد ملک ہے جس کا سفارت خانہ باقاعدہ طور پر کابل میں کام کر رہا ہے' جب کہ سعودی عرب اور عرب امارات کا سفارتی عملہ پشاور میں تمام امور نپٹا رہا ہے' ابھی تک انہی تین ممالک نے افغانستان کی اسلامی حکومت کو تسلیم کیا ہے۔ میرے ذہن میں خیال آیا کہ دارالحکومت کابل سمیت ملک کے دو تہائی علاقہ پر پوری طرح قابو یافتہ طالبان حکومت کو مغربی دنیا اور اُس کے آلہ کار نام نہاد مسلم حکمران اس لئے تسلیم نہیں کر رہے کہ اس نے اب اسلامی امارت افغانستان کا روپ کیوں اختیار کر لیا ہے انسانی حقوق کی نام نہاد علمبردار مغربی دنیا کا پیمانہ "مدنیت" تو بقول اقبال یہ ہے

جہاں قمار نہیں' زن تنک لباس نہیں جہاں حرام بتاتے ہیں شغل مے خواری
نظر وران فرنگی کا ہے یہی فتویٰ وہ سرزمین مدنیت سے ہے ابھی عاری

لہٰذا اس "مدنیت" سے عاری اسلامی افغانستان کو مغربی دنیا کیونکر تسلیم کر سکتی ہے!

ایرانی مفادات کی نگرانی کے فرائض بھی پاکستانی سفارت خانہ ادا کر رہا ہے۔ گویا پاکستان مسلم دنیا کا واحد ملک ہے جس نے افغانستان کی طالبان حکومت کو تمام تقاضوں کے ساتھ پوری طرح تسلیم کر رکھا ہے۔ مختار حسین فاروقی صاحب نے پاکستانی سفارت خانہ کے انچارج کے سامنے اسلام کے عالمی غلبے کے حوالے سے امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کے موقف کی وضاحت کی اور انہیں بتایا کہ تنظیم اسلامی کے نزدیک افغانستان میں اسلامی حکومت کے قیام کو اسلام کے عالمی غلبہ کے قیام کی اہم کڑی کی حیثیت حاصل ہے۔

افغانستان کے ساتھ حکومت پاکستان کے فراخدلانہ تعاون کی تفصیلات بتاتے ہوئے سفیر موصوف نے کہا کہ افغانستان دنیا کا واحد ملک ہے جو بیرونی ممالک اور اداروں کے قرضوں سے یکسر بچا ہوا ہے۔ (گویا "اللہ تیرا شکر کہ یہ خطۂ پر سوز' سود اگر یورپ کی غلامی سے ہے آزاد) حکومت پاکستان اپنے محدود وسائل کے اندر رہتے ہوئے افغان حکومت کی بھرپور مدد کر رہی ہے' چنانچہ حال ہی میں 11 ملین ڈالر کا قرضہ افغان حکومت کو دیا گیا ہے۔ حکومت پاکستان کی طرف سے چھ لاکھ ٹن گندم بھی افغانستان بھجوائی گئی ہے' علاوہ ازیں پاکستان چمن سے قندھار تک ایک بڑی سڑک تعمیر کر رہا ہے۔ انہوں نے افغانستان کی تعمیر نو کے حوالے سے پاکستان کے صنعتی اور تجارتی شعبے کے تعاون کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ سٹیل' ماربل' سیمنٹ اور صابن انڈسٹری کی یہاں گنجائش ہے۔

جمعہ 27/ مارچ کا دن سرکاری تعطیل کی وجہ سے بالکل فارغ تھا۔ نماز جمعہ قدیم اور تاریخی جامع مسجد حاجی یعقوب خان میں ادا کی۔ خطیب شستہ اور نچلے تلے انداز میں وعظ و نصیحت فرما رہے تھے' سورۃ العصر موضوع گفتگو تھی۔ وہ کہہ رہے تھے کہ دین اور دنیا کی بہتری کے لئے تقویٰ پر مبنی زندگی گزارتے ہوئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنا ہو گا۔ جہاد اسلامی زندگی کا شرف اور مسلمان کے لئے وجہ افتخار ہے۔ مشہور حدیث "مَن رأی منکم منکرًا"۔ کا حوالہ دیتے ہوئے مولانا نے فرمایا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ اسلامی ریاست کے ذریعے ہی ادا کیا جا سکتا ہے لیکن اگر اسلامی حکومت موجود نہ ہو تو پھر وعظ و تبلیغ کے ذریعے اس فریضے کو ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

نماز جمعہ کی ادائیگی کے بعد کابل کے حضوری باغ سٹیڈیم کی طرف جانے کا قصد کیا' جہاں دو قاتلوں سے قصاص لیا جانا تھا۔ ڈاکٹر اقبال صافی صاحب کی گاڑی میں چند منٹوں کے اندر ہم حضوری باغ سٹیڈیم کابل پہنچ گئے' جہاں لوگ اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کا مشاہدہ کرنے کے لئے جوق در جوق آ رہے تھے۔ گھنٹہ بھر میں سٹیڈیم پوری طرح بھر چکا تھا۔ سٹیڈیم کے باہر ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں چاک و چوبند مسلح طالبان مجاہدوں کے ساتھ کسی بھی ہنگامی صورت حال سے عہدہ برآ ہونے کے لئے تیار تھیں۔ دنیا بھر میں سٹیڈیم عموماً کھیلوں اور میلوں ٹھیلوں یا فوجی پریڈ کے لئے استعمال ہوتے ہیں مگر اسلامی امارت افغانستان کے حضوری باغ سٹیڈیم کابل میں آج شریعت کے ایک حکم پر عمل کرنے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ سٹیڈیم کے اندر مسلح طالبان سیکورٹی کے فرائض ادا کر رہے تھے۔ چند علماء سٹیڈیم کے وسط میں تشریف لائے' جنہیں قصاص کے اسلامی حکم پر عمل درآمد کروانا تھا۔ یہاں نہ یہاں شامیانے نصب تھے اور نہ دریاں' نہ قالین تھے اور نہ صوفے' نہ کرسیاں تھیں اور نہ گاؤ تکیے۔ علماء کرام اپنے کندھے والی روائتی افغان چادریں بچھا کر "تخت نشین" ہو گئے۔ صدائے شریعت ریڈیو کابل کے عملہ نے قصاص کے عمل کا

"آنکھوں دیکھا" حال سنانے کے لئے ضروری آلات نصب کر دیئے۔ سورۂ حج کے آخری رکوع کی آیات کی تلاوت سے اس "تقریب" کا آغاز ہوا۔ تین علماء نے یکے بعد دیگرے قصاص' دیت' قطع ید اور حد زنا جیسی اسلامی سزاؤں کی حکمت اور فلسفہ پر روشنی ڈالی۔ علماء کی طرف سے مقتولین کے ورثاء کو قاتلوں کو دیت کی صورت میں خون بہا وصول کر کے معاف کر دینے کی ترغیب بھی دلائی گئی' مگر ورثاء "خون کا بدلہ خون" ہی لینے پر مصر تھے جو یقیناً ان کا حق تھا۔ لہٰذا حتمی طور پر اعلان کیا گیا کہ شریعت اسلامی کے تمام تقاضے اور مطالبے پورے کر دیئے گئے ہیں اور اب قصاص کا فریضہ ادا کیا جائے۔ اسی لمحے ایک کارعین سٹیڈیم کے وسط میں آکر رکی۔ قاتل کار سے اتر کر اپنے انجام کے منتظر تھے' آخری مرتبہ قاتلوں کو مقتولین کے ورثاء سے معافی کی درخواست کا موقع دیا گیا مگر صورت حال میں کوئی تبدیلی نہ آسکی۔ قصاص کا اعلان ہوتے ہی فضا نعرۂ تکبیر سے گونج اٹھی۔ اُس وقت عملاً یہ محسوس ہو رہا تھا کہ واقعی اللہ ہی سب سے بڑا ہے۔ قاتلوں کے ہاتھ اور پاؤں باندھ دیئے گئے اور مقتولین کے ورثاء نے قصاص کے طور پر مقتولین کو چھریوں سے باقاعدہ "ذبح" کر دیا۔ زندگی میں پہلی بار کسی انسان کو قتل ہوتے دیکھ کر ہماری طرح بہت سے لوگ گم سم ہو کر رہ گئے مگر یہی قصاص درحقیقت انسانی معاشرے کی بقاء کا ضامن ہونے کی وجہ سے لوگوں کی زندگی کا ضامن قرار پاتا ہے۔ قرآن مقدس میں ہے کہ ﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ﴾۔

اب تھوڑی سی تفصیل واقعہ قتل کی بھی پیش خدمت ہے۔ ہمیں بتایا گیا کہ کابل میں رہنے والے ایک افغان باشندے نے جو اپنی فیملی کے ساتھ جرمنی میں مقیم تھا کابل میں واقع اپنا مکان کرایہ پر دے رکھا تھا۔ کرایہ دار پارٹی نے ایک سال تک تو کرایہ ادا کیا مگر پھر ان کی نیت میں فتور آگیا۔ جب مالک مکان جرمنی سے کابل لوٹا تو ان لوگوں نے اس کی خوب آؤ بھگت کی' کھانے کی دعوتیں کیں' اس طرح کی ایک دعوت کے بعد مالک مکان اور اس کے مقامی محافظ دونوں کو قتل کر کے ان کی لاشوں کے ٹکڑے کر کے انہیں کہیں چھپا دیا گیا۔ افغانستان کی طالبان حکومت نے قاتلوں کا نہ صرف سراغ لگا لیا بلکہ 22 دنوں میں انہیں برسرعام کیفر کردار تک بھی پہنچا دیا گیا۔ مقتولین کے ورثاء نے بدلہ لینے کے بعد بلا خوف و خطر سٹیڈیم سے نکل کر اپنے گھروں کی راہ لی۔ اسے کہتے ہیں انصاف! مگر ہمارے ہاں تو ہر چیز کی طرح انصاف بھی منہ مانگے داموں فروخت ہوتا ہے چنانچہ پاکستان کی عدالتیں انصاف کی "بکرا منڈی" بن کر انصاف کے بیوپاریوں کے ہاتھ اسے کھلے عام فروخت کر رہی ہیں اور حکمران ہیں کہ انہیں چیخنے اور چلانے کے سوا کچھ نہیں آتا۔

ہماری دوسری ملاقات نائب وزیر تعلیم جناب عبدالسلام حنیفی سے ہوئی۔ موصوف بہاولپور اور

کراچی کے دینی مدارس سے فارغ التحصیل ہیں۔ مولانا پشاور اور اٹک میں افغان مہاجرین کے بچوں کو بھی زیور تعلیم سے آراستہ کرتے رہے' بعد میں طالبان تحریک کے ساتھ عملی جہاد میں مشغول ہو گئے۔ مولانا عبدالسلام حنیفی بمشکل 30 سال کے نوجوان ہوں گے مگر ان کی باتوں سے علم کا نور جھلکتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ انہوں نے کہا کہ تعلیم کا حصول ایک لازمی دینی فریضہ ہے جسے جوانی میں بھی حاصل کرنا چاہئے اور شادی کے بعد بھی جاری رکھنا چاہئے۔ اپنی وزارت کے بارے میں انہوں نے بتایا کہ کمیونسٹ دور حکومت میں نصابی کتب سے اسلامیات کا وہ مضمون بھی سرے سے خارج کر دیا گیا تھا جو ظاہر شاہ کے زمانے میں رائج تھا۔ طالبان کی حکومت قائم ہوئی تو ہم نے جامع نصاب کی تیاری کو اپنی اولین ترجیح بنالیا چنانچہ قندھار میں تعلیمی اداروں کے سربراہوں اور دیگر ماہرین تعلیم کا اجلاس منعقد ہوا۔ دیگر اسلامی ممالک میں رائج جامع نصاب کا جائزہ لے کر ایک نصاب مرتب کر لیا گیا ہے جس کا چیف جسٹس صاحب جائزہ لے رہے ہیں۔ ان کی نظر ثانی اور منظوری کے بعد یہ نصاب پورے ملک میں رائج کر دیا جائے گا۔ انہوں نے بتایا کہ دینی مدارس میں عصری علوم کی تعلیم کو شامل نصاب کیا گیا ہے جب کہ سکولوں اور کالجوں میں دینی تعلیم کو نصاب کا حصہ بنا دیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا ہمارے اس اقدام سے دینی مدارس کے فارغ التحصیل افراد اور جدید تعلیم یافتہ افراد کے مابین موجود منافرت ختم ہو جائے گی۔ دینی اور عصری علوم کی تعلیم کے لئے اقامتی طرز کے مدارس قائم کئے جا رہے ہیں۔ ہر ولایت تحصیل کی سطح پر ایسے مدارس قائم کرے گی۔ مولانا عبدالسلام حنیفی نے کہا کہ اسلامی حکومت کی ترقی اور مضبوطی کے لئے دین و دنیا کی تعلیم کا امتزاج ناگزیر ضرورت ہے۔ اسی طریقے سے عالم کفر کے باطل نظریات کا توڑ کیا جا سکتا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ اس طرز کے مدارس جلال آباد' ننگرہار' ہرات اور قندھار میں قائم ہو چکے ہیں' اور جلد ہی ایسا ادارہ کابل میں بھی قائم کر دیا جائے گا۔ خواتین کی تعلیم کے حوالے سے وزیر تعلیم نے کہا کہ اسلام مرد اور عورت دونوں پر علم کے حصول کو فرض قرار دیتا ہے' ہم بحیثیت مسلمان اس شرعی حکم سے کیونکر غافل رہ سکتے ہیں؟ اسلام ہمارا دین ہے جس پر عمل کرنا ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے۔ ہم خواتین کو بھی تعلیم دینا چاہتے ہیں مگر اسلامی اصولوں اور دائرہ کار کے اندر رہتے ہوئے! مخلوط تعلیم کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ہمیں اس وقت شدید مالی مشکلات کا سامنا ہے' مالی وسائل فراہم ہوتے ہی ہم خواتین کے تعلیمی ادارے بھی کھول دیں گے اور ان شاء اللہ اسی سال کے اندر اندر خواتین کے لئے نصاب کی تیاری سمیت تمام ضروری کام مکمل کر لیا جائے گا۔ انہوں نے بتایا کہ ذریعہ تعلیم فارسی اور پشتو ہو گا جب کہ عربی کو زندہ زبان کے طور پر پڑھایا جائے گا۔ افغانستان میں تعلیم کے ساتھ ساتھ کتابیں' رہائش اور کھانا بھی حکومت فراہم کر رہی ہے۔ نجی سکول' کالج اور یونیورسٹیاں قائم

کرنے پر پابندی ہے البتہ دینی مدارس نجی سطح پر قائم کئے جاسکتے ہیں مگران کے لئے سرکاری نصاب کو اپنانا لازم ہوگا۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے الگ محکمہ "وزارت تحصیلات عالی" قائم ہے جو تیزی سے اپنی ترجیحات تیار کررہا ہے۔

مختار حسین فاروقی صاحب نے اسلامی امارت افغانستان کی اسلامی حکومت کے قیام کا پس منظر جاننے کی خواہش کا اظہار کیا تو مولانا نے ہمیں بتایا کہ طالبان تحریک کے کامیاب جہاد کے نتیجے میں گزشتہ سال قندھار میں ملک کے تین ہزار جید علماء کا پندرہ روز طویل اجلاس منعقد ہوا۔ اس اجلاس کے آخری روز علماء نے ملا محمد عمر' مجاہد اسلام کے ہاتھ پر بیعت کرکے انہیں افغانستان کی اسلامی حکومت کے امیر المومنین کے مقام پر فائز کردیا۔ میجر صاحب نے اس موقع کا بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے وزیر موصوف کو تنظیم اسلامی کی اساس سے' جو نظام بیعت پر ہی استوار ہے' متعارف کرایا۔ وزیر موصوف کے سامنے تنظیم کے عہد نامہ رفاقت میں درج بیعت کے الفاظ پڑھ کر سنائے گئے۔ یوں طالبان حکومت اور تنظیم اسلامی بیعت کے رشتے میں منسلک ہونے کی وجہ سے گویا ایک دوسرے سے بہت مشابہ ہیں۔ مولانا عبدالسلام حنیفی نے بتایا کہ امیرالمومنین سے کی گئی بیعت کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ "ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے آپ ہمارے امیر ہیں ہم آپ کی اطاعت کریں گے' اگر آپ اس بیعت کے تقاضے پورے نہ کرسکے یا اسلامی احکامات سے انحراف و تجاوز کیا تو آپ سے ہماری یہ بیعت ختم ہوجائے گی اور آپ ہمارے امیر نہیں رہیں گے"۔ اسلام کی حقانیت پر دلی یقین اور باطنی بصیرت کے حامل اس نوجوان کو دیکھ کر ہمیں اپنے وہ مجاہدین اسلام یاد آگئے جنہوں نے محمد بن قاسم اور طارق بن زیاد کے روپ میں دنیا کو اسلام کی روشنی سے منور کیا تھا۔ علامہ اقبال نے ایسے مجاہدوں کی بابت ہی تو کہا تھا کہ ؎

تا خلافت کی بنا دُنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

آج انہی اسلاف کے خوشہ چیں' انہی کی راہ کے مسافر' انہی جیسے مجاہد' اسلام کو سربلند کرنے کے لئے افغانستان میں مصروف عمل ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان مجاہدوں کو کامیابی عطا فرمائے' ان کے اقدامات میں برکت دے اور افغانستان کے ذریعے اسلام کے عالمی غلبہ کی راہ ہموار کردے اور پاکستان سمیت پوری دنیا کو اسلام کا عادلانہ نظام نصیب فرمادے۔ آمین

29/ مارچ اتوار کا دن وزارت خارجہ کے ذمہ دار حضرات سے ملاقات کے لئے مختص تھا۔ ملا محمد ربانی وزیر خارجہ کے عہدہ پر فائز ہیں' ان کی بعض ناگزیر اور فوری مصروفیات کی وجہ سے ان کے نائب سید محمد حقانی سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ میجر صاحب نے حسب سابق تنظیم کے وفد کی آمد کا مقصد

بیان کیا اور طالبان حکومت کو نیک خواہشات پہنچائیں۔ مولانا نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اہل افغانستان کو روسی استعمار کے خلاف جہاد کی توفیق مرحمت فرمائی۔ اس جہاد میں پوری دنیا کے مسلمانوں نے عملی طور پر ہمارا ساتھ دیا۔

اس جہاد میں لاکھوں افغان مسلمان شہید اور لاکھوں ہی بے گھر اور ہزاروں افراد معذور ہوئے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان قربانیوں کو قبول کرتے ہوئے افغانستان میں اسلامی حکومت قائم فرمادی ہے۔ اگرچہ اس وقت ہمیں بہت سی مشکلات کا سامنا ہے ہمارا مطلوب و مقصود اور ہدف اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا عملی نفاذ ہے جس میں ہم بحمداللہ ثابت قدمی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ ہمارا ایمان ہے کہ اسلامی نظام کے نفاذ سے ہر شعبے میں اللہ کی رحمتوں اور عنایتوں کا ظہور ہو گا۔ ﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ کے مصداق اللہ تعالیٰ لازماً ہمارے لئے آسانیاں فراہم کرے گا۔ اگرچہ اس وقت پورا عالم کفر افغانستان کی اسلامی حکومت کا دشمن بن چکا ہے مگر ہمیں اس کی قطعاً کوئی پروا نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ اسلامی حکومت کے مخالفین غنڈے اور بدمعاش ہیں' جنہیں کبھی بھی اپنے مکروہ اور شیطانی عزائم میں کامیابی حاصل نہیں ہوگی بلکہ ناکامی ہی ایسے بدکردار لوگوں کا مقدر رہوگی۔ طالبان مخالف اتحاد میں شامل حکمت یار' ربانی' دوستم اور مسعود وغیرہ کے بارے میں مولانا سید محمد حقانی نے بتایا کہ اگر یہ لوگ طالبان کی اسلامی حکومت کو تسلیم کرلیں اور شرعی نظام کو قبول کرلیں تو ان سے بات ہو سکتی ہے ورنہ یہ لوگ اپنے انجام کو پہنچ کر رہیں گے۔ مولانا نے بتایا کہ روسی افواج کے انخلا اور ان کے گماشتہ کمیونسٹوں کے اقتدار کے خاتمے کے بعد حکومت مجاہدین کے ہاتھ میں آگئی مگر صبغت اللہ مجددی' برہان الدین ربانی اور انجینئر گلبدین حکمت یار کے ساڑھے چار سالہ دور اقتدار میں 60 ہزار مسلمان باہمی لڑائی کی بھینٹ چڑھ گئے اور شریعت کے نظام کے لئے ٹھوس پیش رفت سرے سے نہ ہوئی۔ مجاہدین کی اتحادی حکومت نے اپنے ساڑھے چار سالہ دور حکومت میں کابل کے مظلوم شہریوں کو اپنے ظلم و ستم کا بڑی بے دردی سے نشانہ بنایا۔ اس ظلم کی گواہی کابل کے در و دیوار سے بھی لی جاسکتی ہے۔

اس طرح کابل میں ہماری یہ آخری سرکاری مصروفیت بھی ختم ہوگئی اور ہمارا قافلہ کابل سے جلال آباد کے لئے محو سفر ہو گیا۔ دارونٹہ ڈیم کابل پر رک کر نماز مغرب ادا کی گئی اور یہاں کی مشہور اور تازہ بہ تازہ مچھلی پر مشتمل کھانا کھانے کے بعد ہم جلال آباد پہنچ گئے۔ شہر سے باہر ہی میزبان تنظیم اسلامی کے وفد کے منتظر تھے۔ مہمان خانے میں طعام و قیام کے بعد اگلی صبح نماز فجر ادا کرنے کے بعد جلال آباد سے طورخم کے لئے روانگی ہوئی۔ ہم صبح ۸ بجے کے قریب اسلامی امارت افغانستان سے "اسلامی" جمہوریہ پاکستان میں لوٹ آئے۔ یوں ہمارا یہ سفر اپنے اختتام کو پہنچ گیا۔

بقیہ : شہیدِ مظلوم

کے ساتھ بغض رکھا۔ اور جس شخص نے ان کو تکلیف دی اس نے مجھے تکلیف دی اور جس نے مجھے تکلیف دی' اس نے اللہ کو تکلیف دی' اور جس نے اللہ کو تکلیف دی تو وہ عنقریب اس کو گرفت میں لے لے گا"۔

یہ وہ حدیث ہے جو تقریباً ہر خطبہ جمعہ میں ہمارے خطباء سناتے ہیں۔ (جاری ہے)

بقیہ : فکرِ عجم

الدین افغانی"' علامہ اقبال' ڈاکٹر علی شریعتی اور ملک الشعراء بہار جیسی شخصیات کو فروغ حاصل ہوا جنہیں نہ سنی کہا جاسکتا ہے اور نہ ہی شیعہ۔ انہی شخصیات کے افکار نے اسلامی انقلاب کی راہ ہموار کی۔

اس کے مقابلہ میں برصغیر کے شیعہ احباب نے انگریزی عہد میں ایران و ہند کے مابین روابط کے انقطاع کے باعث ان تحاریک کا اثر قبول نہیں کیا اور وہ فکری خلاء میں معلق رہے۔ جب قیام پاکستان کے بعد ایران سے ثقافتی روابط قائم ہوئے تو برِصغیر اور ایران کے شیعہ احباب ایک دوسرے سے مل کر حیران ہونے لگے کہ روابط کے انقطاع اور مرورِ ایام کے باعث وہ خاصی حد تک ایک دوسرے کو سمجھنے سے قاصر نظر آنے لگے۔
(جاری ہے)

ضرورت رشتہ

ابو ظبی میں مقیم دوسری شادی کے خواہش مند اُردو سپیکنگ پاکستانی انجینئر کے لئے حافظہ قرآن' عالمہ' یا تعلیم یافتہ دیندار لڑکی کا رشتہ مطلوب ہے۔ پہلی بیوی سے ذہنی ہم آہنگی نہ ہونے کی وجہ سے علیحدگی ہو چکی ہے —— برائے رابطہ :

c/o JAWAID, P.O.Box 31527, ABUDHABI U.A.E.

لاہور میں مقیم اعلیٰ سرکاری ملازم رفیق تنظیم اسلامی کی ۲۳ سالہ ایم اے اسلامیات بیٹی کے لئے موزوں رشتہ درکار ہے۔

برائے رابطہ : نعیم اختر عدنان' 36/K ماڈل ٹاؤن لاہور' فون 03-5869501

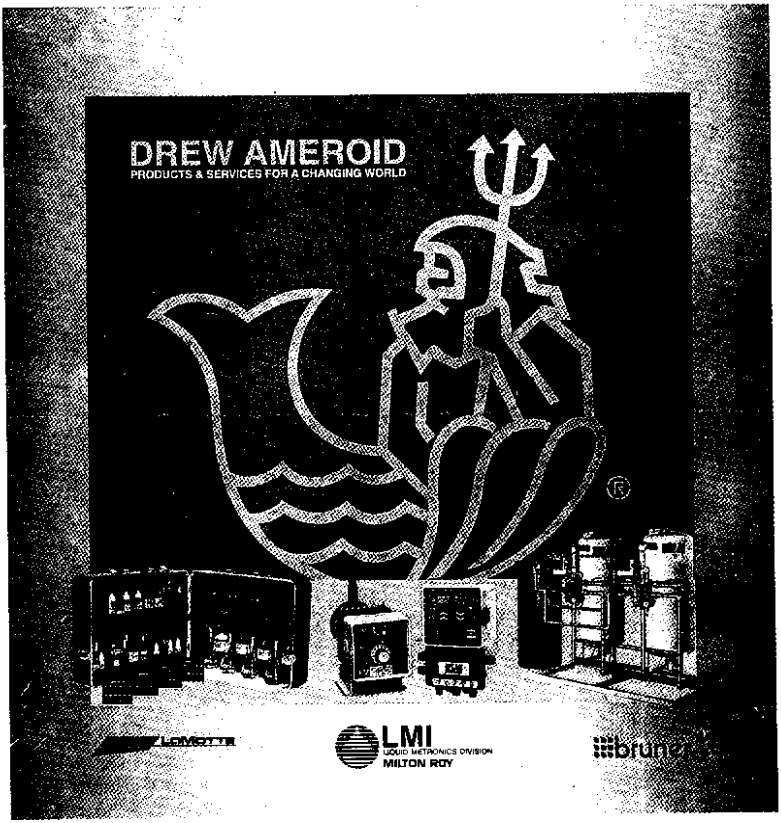

ORIENT WATER SERVICES (PVT) LTD.

THE INDUSTRIAL WATER TREATMENT COMPANY

KARACHI
Tel: 453-3527 453-9535
Fax: 454-9524

LAHORE
Tel: 712-3553 722-5860
Fax: 722-7938

ISLAMABAD
Tel: 273168 277113
Fax: 275133

FAISALABAD
Tel: 634626
Fax: 634922

MONTHLY
Meesaq
LAHORE

Reg. No. CPL 125
Vol. 47 No. 5
May, 1998

FOTO SCAN PH:7234042-7111906